اُردُو کا کلاسیکی ادب
انشا کی دو کہانیاں
(رانی کیتکی و سلکِ گوہر)
از
انشاء اللہ خاں انشا
مرتبہ
انتظار حسین
مجلسِ ترقیِ ادب لاہور

طبع اول : نومبر ۱۹۷۱ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خاں
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : مطبع قوسین ، تھارنٹن روڈ لاہور

طابع : ریاض احمد چودھری

سرورق : مطبع عالیہ ، ۱۲۰/۵ ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : چار روپے

بعونِ صناعِ مکین و مکاں و بفضلِ خلاقِ زمین و زماں
۱۱۸
اردو کا کلاسیکی ادب
انشا کی دو کہانیاں
از
انشاء اللہ خاں انشا
ناشر
مجلسِ ترقیِ ادب
۲۔ نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

فہرست

پیش لفظ

انشاء اللہ خاں پر یہاں کوئی نئی تحقیق مقصود نہیں - یہ وضاحت شروع ہی میں ہو جائے تو اچھا ہے - کیا فائدہ کہ آپ مجھ سے اور قسم کی توقعات کریں اور میں اور طرح کی باتیں کروں - مقصود تحقیق نہیں بلکہ تفہیم ہے - بات یہ ہے کہ انشاء سے بطور شاعر کے تو ہم خوب شناسا چلے آتے ہیں مگر افسانہ نگار انشاء پر ایک لمبے عرصے تک پردہ پڑا رہا - محققوں نے بالآخر پردہ کشائی کی اور انشاء نے جو دو کہانیاں لکھی تھیں انہیں تحقیق کرکے برآمد کر لیا - رانی کیتکی کی کہانی کو مولوی عبدالحق مرحوم نے برآمد کیا اور 'سلک گوہر' کو مولانا امتیاز علی عرشی نے کھود کر نکالا - پس تحقیق کا فریضہ تو یہ بزرگ انجام دے چکے - مگر ادب میں تحقیق منتہا نہیں ہوتی یا کم از کم اسے منتہا ہونا نہیں چاہیے - ایک گم شدہ تحریر کو دریافت کرکے چپ ہو جانا ایک کار عبث ہے - اس صورت میں تو وہ تحریر پھر رفتہ رفتہ پردۂ گمنامی میں چلی جائے گی - تحقیق کے بعد کی منزل یہ ہے کہ جس تحریر کو دریافت کیا گیا ہے اسے جانچا پرکھا جائے اور اس کی ادبی قدر و قیمت کا تعین کیا جائے - اس طور اس تحریر کو

زندہ ادبی روایت میں مقام ملے گا ، پھر وہ ادبی شعور کی تربیت میں حصہ لے گی اور ادب پر اثر انداز ہوگی ۔ انشاء کی کہانیوں کے سلسلے میں ابھی یہ منزل نہیں آ پائی ہے ۔ ان دونوں کہانیوں کا ذکر ہنوز ایک تحقیقی کارنامے کے طور پر کیا جا رہا ہے اور انشاء کو ہم نے ہنوز ایک شاعر ہی کے طور پر قبول کر رکھا ہے ۔ ہاں شاعر کے ذکر ہی میں یہ ذکر بھی کر دیا جاتا ہے کہ اس نے ایک کہانی بھی لکھی تھی ۔ پھر 'سلکِ گوہر' کی تحقیق کے بعد اس 'بھی' کے ذیل میں دو کہانیاں آ گئیں ۔ سوال یہ ہے کہ انشاء کی کہانی نویسی ان کی ادبی زندگی میں محض ایک 'بھی' کی حیثیت رکھتی ہے یا اس کا یہ مقام ہے کہ ہم انشاء کو ایک شاعر کے ساتھ ساتھ ایک ممتاز کہانی نویس یا داستان نگار بھی قرار دے سکتے ہیں ۔

تو آئیے ان دونوں کہانیوں کو احتیاط سے پڑھتے ہیں اور اس نقطۂ نظر سے انہیں دیکھتے ہیں ۔ مگر اس سے پہلے مصنف کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالتے چلیں ۔ یہ شخص کون تھا ؟ کس زمانے میں پیدا ہوا ؟ اس زمانے کا رنگ کیا تھا اور اس شخص کے رنگ ڈھنگ کیا تھے ؟ اس نے زندگی کس طور بسر کی اور کیا کچھ پڑھا لکھا ؟ یہ کچھ جاننے سے ان کہانیوں کو جاننے سمجھنے میں مدد ملے گی ۔ مطلب یہ ہے کہ تحقیق یہاں بھی مقصود نہیں ۔ مجوزہ مطالعے میں اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ انشاء ۱۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے یا اس سے ڈھائی برس پہلے یا ہوئے تین برس بعد پیدا ہوئے ۔ اس مطالعے کے لیے تو بس اتنا ضروری ہے کہ ہم اس زمانے کا تعین کرلیں اور اس کے مزاج کو جان

لیں جس میں انشاء نے ہوش سنبھالا اور لکھا ۔ یہ کام محققوں کے لیے چھوڑ دیں کہ وہ کس سنہ میں اور کس تاریخ کو پیدا ہوئے تھے ۔ ویسے آمنہ خاتون بھی بہت تحقیق و تفتیش کے بعد بس اس حد تک تعین کر سکی ہیں کہ انشاء ۱۱۶۹ھ یا ۱۱۷۰ھ میں کسی وقت پیدا ہوئے تھے ۔

انشاء اللہ خاں میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے اور میر نور اللہ خاں کے پوتے تھے ۔ بزرگوں کا وطن نجف اشرف اور پیشہ طبابت تھا ۔ اسی پیشے کی بدولت ہندوستان آنا ہوا ۔ روایت یوں ہے کہ حکیم میر نور اللہ خاں فرخ سیر کی دعوت پر علاج کرنے کے لیے دلی آئے تھے ۔ پھر اسی شہر میں رہ پڑے اور امرائے شاہی میں داخل ہوئے ۔ نور اللہ خاں تو دلی ہی میں رہے مگر میر ماشاء اللہ خاں المتخلص بہ مصدر کے وقت میں دلی کی سلطنت کا حال بہت پتلا ہو گیا تھا ۔ سو وہ دلی شہر سے نکلے اور مرشد آباد پہنچے ۔ انشاء اللہ خاں اسی شہر میں پیدا ہوئے ۔ آمنہ خاتون نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ پیدائش کا سال ۱۱۶۹ھ یا ۱۱۷۰ھ ہونا چاہیے یعنی ۱۷۵۵ع یا ۱۷۵۶ع میں ۔ اس زمانے کو نواب سراج الدولہ کا زمانہ سمجھنا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے کہ انشاء جنگِ پلاسی سے ایک ڈیڑھ برس پہلے اس دنیا میں وارد ہوئے ۔

جنگِ پلاسی کے بعد بنگال کی حالت بھی ابتر ہوتی چلی گئی ۔ آخر کو ماشاء اللہ خاں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے ۔ وہاں سے وہ لکھنؤ آئے ۔ لکھنؤ میں وہ نواب شجاع الدولہ کا زمانہ تھا ۔ انشاء اب سولہ کے سن میں تھے ۔ اسی سنہ میں وہ شجاع الدولہ کے دربار

میں پہنچے اور ان کے جلیسوں میں شامل ہوئے۔ یہ شجاع الدولہ کے آخری ایام تھے۔ ۱۷۷۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی آنکھ بند ہوتے ہی دربار کا نقشہ بدل گیا اور ماشاء اللہ خاں بیٹے کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔

باپ بیٹے گھومتے پھرتے دلی پہنچے۔ یہاں شاہ عالم کا دربار سجا تھا۔ شاہ عالم خود بھی شاعر تھے۔ شاعر نے شاعر کو پہچانا اور اپنے سائے میں لے لیا۔ انشاء اہلِ دربار میں شامل ہو گئے۔ یہاں انھوں نے اپنا رنگ خوب جمایا۔ شاعری کا رنگ الگ اور لطائف و ظرائف کا رنگ الگ۔ مولانا محمد حسین آزاد نے شاہ عالم اور انشاء کے باہمی روابط کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے مگر آمنہ خاتون اس پورے بیان کو افسانہ طرازی بتاتی ہیں اور 'مخزن الغرائب' کے حوالے سے کہتی ہیں کہ انشاء دلی میں محمد بیگ خاں ہمدانی کے پاس رہے تھے۔ محمد بیگ ہمدانی مرزا نجف خاں کے فوجداروں میں تھے۔ انشاء کے قیام دلی کے دوران یعنی ۱۷۸۲ء سے ۱۷۸۸ء تک کے زمانے میں ہمدانی آگرے اور راجپوتانے کی مہمات میں گتھے ہوئے تھے۔ انشاء نے بھی ان معرکوں میں حصہ لیا۔ 'مخزن الغرائب' کے بیان کے مطابق ''چند بار توپ و تفنگ و تیر و تبر کی زد پر چڑھ گئے تھے۔ زندگی باقی تھی جو سلامت واپس آئے۔''

دلی سے اکھڑے تو پھر لکھنؤ کا رخ کیا۔ یہ ۱۷۸۸ء کا واقعہ ہے اور انشاء اب بتیس کے سن میں تھے۔ وہ اب سے تیرہ برس پہلے اس شہر سے نکلے تھے۔ نگر نگر گھومے۔ چندے

بوندیل کھنڈ میں ڈیرا ڈالا ۔ پھر دلی میں آ کر چھاؤنی چھانی اور گھوم پھر کر پھر لکھنؤ ہی واپس گئے۔ لکھنؤ جا کر سلیمان شکوہ کے مصاحبوں میں داخل ہوئے ۔ ان کی مصاحبی سے چھوٹے تو الماس علی خاں سے گھلے ملے ۔ پھر الماس علی خاں کو سلام کیا اور نواب سعادت علی خاں کے مقرب بنے ۔ یہ ان کی زندگی کا سب سے ہنگامہ خیز دور ہے ۔ اس مصاحبی میں انھوں نے بہت عروج پایا اور اسی مصاحبی میں انھوں نے ادبار کے دن دیکھے ۔ اس دور میں وہ بہت ہنسے بولے ۔ خود بھی ہنستے تھے اور نواب کو بھی ہنساتے تھے ۔ مگر ہنسی ہنسی میں بات بگڑ گئی اور نواب صاحب ایسے ناراض ہوئے کہ شاعر کو گھر میں مقید کر دیا ۔

یہ انشاء کی زندگی کے آخری ایام تھے - ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ع میں انتقال کیا ۔ بسنت سنگھ نشاط نے تاریخ کہی کہ :

خبرِ انتقالِ میر انشاء
دلِ غم دیدہ تا نشاط شنفت
سالِ تاریخِ او ز جانِ اجل
عرفیِ وقت بود انشاء گفت

وضع قطع

''اور میر انشاء اللہ خاں بیچارے میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے آگے پری زاد تھے - ہم بھی گھورنے جاتے تھے ۔''

یہ 'دریائے لطافت' میں میر غفر غینی کا بیان ہے ۔ اس سے

اتنا تو بہر حال پتا چلتا ہے کہ انشاء حسین و جمیل آدمی تھے۔ میر حسن نے بھی انہیں ''جوانے خوش ظاہر و خوش طبع'' بتایا ہے اور خوبانِ جہاں میں شمار کیا ہے۔ خوش ظاہر بھی تھے اور خوش پوش بھی تھے۔ 'دریائے لطافت' ہی میں انہوں نے ایک مقام پر اپنی سج دھج قلمبند کر رکھی ہے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں سے ملاقات کے لیے چلے تو اس اہتمام سے:

> ''آخر کار میں نے اصلاح بنوائی۔ ڈھاکے کی ململ کا جامہ پہنا۔ سرخ رنگ کا چیرہ سر پر باندھا۔ اور کپڑے بھی اسی قبیل سے تھے۔ ایک کنار بنگے میں اڑسا۔ اس ہیئت سے ہاتھی پر سوار ہو کر آن کی خدمت میں حاضر ہوا۔''

پس مختلف بیانات سے انشاء کی تصویر یوں مرتب ہوتی ہے کہ گورے چٹے تھے۔ بدن فربہ تھا۔ آدمی سج دھج والے تھے۔ عینک لگاتے تھے۔ ناس سونگھتے تھے۔ رات کو آسمان تلے سونا اور سوتے سے اٹھ اٹھ کر نہانا۔

> ''میں نے اپنا حال سنایا کہ غلام شبنم میں سوتا ہے اور رات میں دو تین بار پانی میں غوطہ لگاتا ہے۔ اور مٹی کا ایک برتن جس کو ناند کہتے ہیں اسی لیے ہمیشہ پانی سے بھرا رہتا ہے۔''

لطائف السعادت

نہانا انشاء کا خاص شوق تھا ۔ رات کو اٹھ اٹھ کر نہانا ۔ بارش ہو تو اس میں نہانا ۔ انشاء کی ایسی ایک تصویر مولانا محمد حسین آزاد نے پیش کی ہے ۔ دلی میں ایک حافظ احمد یار تھے جو انشاء کے یارِ غار تھے ۔ ایک روز وہ انشاء سے ملنے چلے ۔ "رستے میں مینہ آ گیا اور وہاں پہنچتے تک موسلا دھار برسنے لگا ۔ یہ جا کر بیٹھے ہی تھے جو حرم سرا سے ننگے منگے ایک دھاروے کی لنگی باندھے آپ دوڑے آئے ۔ انہیں دیکھتے ہی اچھلنے لگے ۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر گرد پھرتے تھے اور کہے جاتے تھے :

بھر بھر چھاجوں برست نور
رد بلیّاں دشمن دور"

یہ گھر کی بات ہے ۔ مگر باہر کی زندگی میں بھی ان کا رویہ کون سا مختلف تھا ۔ جیسے گھر کے اندر ویسے گھر سے باہر ۔ ڈھیلے ڈالے آدمی تھے ۔ رکھ رکھاؤ سے بے نیاز ، تکلفات سے بے پروا ۔ مزاج میں شوخی رچی ہوئی تھی ۔ طبیعت سیمابی پائی تھی ۔ گھڑی میں رن میں گھڑی میں بن میں ۔ ایک وضع کو پکڑ کے بیٹھ جانا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا ۔ بقول آزاد "کبھی متشرع مردِ معقول ، کبھی دلی کے بانکے ۔ کبھی آدھی داڑھی اڑا دی ، کبھی چار ابرو کی صفائی بتادی ۔" کسی نے مرزا سلیمان شکوہ کو جا خبر کی کہ ذرا اپنے دولت کدے سے جھانکو اور اپنے انشاء جی کو دیکھو کہ انہوں نے آج کیا سوانگ رچایا ہے ۔ سلیمان شکوہ کی حویلی لکھنؤ میں لبِ دریا تھی ۔ اس روز اشنان کا میلہ تھا ۔ ادھر نظر ڈالی تو کیا دیکھا کہ ایک مہنت کشمیری پنڈتوں کا

بانا پہنے بیٹھا ہے اور زور زور سے اشلوک پڑھتا ہے ۔ منتر جپتا ہے ۔ پاس میں پیسے کوڑی اور اناج کی ڈھیری لگی ہے ۔ عورت مرد ، بچے بوڑھے آتے ہیں اور تلک لگوا کر بصد عقیدت رخصت ہوتے ہیں ۔ غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ یہ تو انشاء اللہ خاں ہیں ۔

اصل میں انشاء اللہ خاں تھے ہی میلے ٹھیلے کے آدمی ۔ مگر حالات نے انھیں دربار میں مقید کر دیا تھا ۔ یہ بار بار رسہ تڑاتے تھے اور دربار سے میلے کی طرف بھاگتے تھے ۔ کبھی اس میلے میں کبھی اس میلے میں ۔ کبھی آٹھوں کا میلہ ہے ، کبھی اشنان کا جھمیلا ہے ۔ ساتھ میں نواب سعادت علی خاں کو بھی کھینچتے تھے اور اس راہ پر لگانے کی کوشش کرتے تھے ۔ مگر نوابی کا اپنا رکھ رکھاؤ ہوتا ہے ۔ نواب سعادت علی خاں اس راہ پر کتنی دور ان کے ساتھ چل سکتے تھے ۔ مگر انشاء اپنی ذات کو تو فراموش نہیں کر سکتے تھے ۔ انھوں نے میلوں ٹھیلوں والی روایت کو درباری زندگی میں آمیز کرکے ایک ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں وہ آزادانہ سانس لے سکیں اور بیباکانہ اپنا اظہار کر سکیں ۔ نقاد اور محقّق لکھنؤ کی درباری زندگی پر نام دھرتے ہیں کہ اس نے ایک صاحبِ علم اور ایک شاعر کو بہروپیا بنا دیا ۔ حالانکہ معاملہ اس کا الٹ تھا ۔ ہنسی ٹھٹھا کرنے اور سوانگ رچانے اور بہروپ بھرنے کا جو انشاء کو چسکا لگا تھا یہ میلوں ٹھیلوں کا فیض تھا اور انشاء کی شخصیت کا حصہ تھا ۔ لکھنؤ کی درباری فضا میں پہنچ کر اس کی شکل کچھ سے کچھ ہوگئی اور مصحفی نے انشاء کی ہجو لکھی تو یہ کہا کہ :

واللہ کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے

مصحفی کچھ ہی کہیں مگر انشاء کا یہ ظرف بھی دیدنی ہے کہ مصحفی کے مداح جب ہجویں پڑھتے انشاء کے گھر پہنچے تو انشاء نے گھر سے نکل کر ان کا استقبال کیا، فرمائش کرکے ایک ایک ہجو سنی اور جی کھول کر داد دی ۔ یہ ظرف آدمی میں دربار میں رہ کر پیدا نہیں ہوتا، میلوں ٹھیلوں میں بسر کرکے پیدا ہوتا ہے جہاں اظہار پر بند نہیں باندھے جاتے اور انسانی شخصیت کو چھوٹی موٹی نہیں سمجھا جاتا ۔ پھر اس کے جواب میں انشاء نے جو ناٹک سجایا وہ بھی اسی میلوں ٹھیلوں والی روایت کا غماز ہے یعنی ایک برات نکالی ۔ براتی کچھ پیدل تھے اور ڈنڈے بجاتے ہجو پڑھتے جاتے تھے ۔ کچھ ہاتھیوں پر بیٹھے تھے ۔ ایک ہاتھ میں گذا دوسرے میں گڑیا ۔ دونوں کو لڑاتے تھے اور ہجو پڑھتے تھے :

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخِ کہن
لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن

اس تماشا پسند طبیعت نے لکھنؤ کی درباری فضا میں بہت شگوفے کھلائے ۔ لیکن دربار پھر دربار ہے ۔ اس میں یہ طبیعت کتنی دیر پنپ سکتی تھی ۔ انشاء اللہ خاں فقرہ باز غضب کے تھے ۔ طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی ۔ فقرے پر فقرہ آتا تھا اور قیامت ڈھاتا تھا ۔ اور فقرہ کہنے والوں کا معاملہ یہ ہے کہ اچھا فقرہ زبان پر آجائے تو چوکتے نہیں ۔ سولی پر کھڑے ہوں تو بھی کہیں گے ۔ ایک دن سرِ دربار عجب واقعہ گزرا : بعض شرفا کی

شرافت و نجابت زیر بحث تھی ۔ کہیں نواب سعادت علی خاں بول اٹھے کہ کیوں بھئی ہم بھی نجیب الطرفین ہیں ۔ انشاء نے برجستہ جواب دیا : ''بلکہ انجب ۔''

اس جواب پر دربار میں سناٹا چھا گیا ۔ بات یہ تھی کہ سعادت علی خاں تو حرم کے شکم سے تھے ۔ اور عربی میں مثل مشہور ہے کہ ولد الجاریۃ انجب ۔

جب فقرہ ہو چکا تب انشاء کو احساس ہوا کہ کیا واقعہ گزر گیا ۔ پھر انھوں نے بات پر بہت پردے ڈالے مگر پھر کیا ہوتا تھا ۔ نواب کے دل میں گرہ پڑ گئی ۔ تیور بدل گئے ۔ کھنچے کھنچے رہنے لگے ۔ ایک روز انشاء نے لطیفہ سنایا ۔ نواب بولے کہ ایسی بات کہتے ہو جو نہ کسی نے دیکھی ہو نہ سنی ہو ۔ انشاء اللہ خاں پھول گئے ۔ بولے کہ حضور کا اقبال سلامت رہے ، قیامت تک ایسی ہی کہے جاؤں گا کہ نہ دیکھی ہو نہ سنی ہو ۔ نواب نے تنک کر کہا کہ اچھا پھر دو لطیفے روز ایسے سنا دیا کرو کہ نہ دیکھے ہوں نہ سنے ہوں ۔

پابندی بری شے ہے ۔ سید انشاء کہاں بات بات پہ لطیفہ سناتے تھے کہاں یہ حال ہوا کہ دربار جانے سے پہلے جو ملتا اس سے کہتے کہ کوئی لطیفہ سناؤ ۔ یوں لطیفے اور چٹکلے جمع کرتے اور کام چلاتے ۔ پھر یوں ہوا کہ نواب نے ایک روز بلاوا بھیجا ۔ اس وقت یہ کسی اور امیر کے ہاں گئے ہوئے تھے ۔ نواب کو جو یہ خبر ملی تو اس نے پابندی لگا دی کہ گھر رہا کرو ۔ ہمارے دربار کے سوا کہیں مت جاؤ ۔ سید انشاء بے قرار طبیعت

لے کر آئے تھے ۔ پاؤں میں چکر تھا ۔ میلوں ٹھیلوں کے رسیا تھے ۔ ایسا آدمی پابند ہو کر گھر بیٹھ جائے تو اس کی حالت کا تصور کیا جا سکتا ہے ۔ خفقان رہنے لگا ۔ ایک روز ایسے بے قابو ہوئے کہ سعادت علی خاں کی گزرتی سواری کو دیکھ کر گھر سے نکلے اور سخت سست کہا ۔ سعادت علی خاں نے انتقام یوں لیا کہ ان کی تنخواہ بند کر دی ۔

مصائب پہلے کیا کم تھے ، اب رزق کی مار بھی شامل ہو گئی ۔ جس شخص کو رنگا رنگ نعمتیں میسر تھیں، وہ دانے دانے کو محتاج ہوا ۔ نوبت خفقان سے جنون تک پہنچی ۔ دنیا کے جھمیلوں سے جی پھر گیا ۔ اب نہ میلوں ٹھیلوں میں گھومنے پھرنے کی آرزو تھی نہ زندگی کے مزے لوٹنے کی تمنا تھی ۔ نہ چہکنا بولنا نہ ہنسنا ، نہ لطیفے اور چٹکلے نہ فقرے اور پھبتیاں ۔ اس عالم میں میاں رنگین اس یارِ غار سے ملنے گئے تو بروایتِ آزاد یہ دیکھا کہ ''ایک کونے میں بیٹھے ہیں ، تن برہنہ ہے ، دونوں زانوؤں پر سر دھرا ہے ، آگے راکھ کے ڈھیر ہیں ، ایک ٹوٹا سا حقہ پاس رکھا ہے ۔'' ایک بار سر اٹھا کر میاں رنگین کو دیکھا ۔ مزاج پرسی پر کہا کہ شکر ہے اور پھر سر کو گھٹنوں میں دے لیا :

جی میں کیا آ گیا انشاء کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اس نے کیا عالمِ تنہائی کو

سید انشاء آزاد منش آدمی تھے ۔ پابندیوں میں گزارہ نہیں کر سکتے تھے ۔ ایسی شخصیتیں بھی ہوتی ہیں جو پابندیوں میں

گھر کر بھی اپنے اظہار کی صورت نکال لیتی ہیں ۔ مگر انشاء کی شخصیت اس قسم کی تھی جو آزاد رہ کر ہی اپنا اظہار کر سکتی تھی ۔ ایسی شخصیت والے پر پابندیاں عاید کرنے کا نتیجہ یہی نکل سکتا تھا کہ وہ بالآخر دیوانہ ہو جائے ۔

تقلید سے اس شخص کو نفور تھا ۔ بنے بنائے رستوں پر چلنے سے طبیعت ِ ابا کرتی تھی ۔ طبیعت آزاد پائی تھی ۔ شخصیت اپنے اظہار کے لیے پامال رستوں سے ہٹ کر الگ رستہ ٹٹولتی تھی ۔ شروع زندگی ہی سے اس طور کا اظہار ہونے لگا تھا ۔ یوں دیکھیے کہ ان کا آبائی پیشہ تو طبابت تھا ۔ بزرگوں نے اسی میدان میں اپنے جوہر کو آشکار کیا تھا اور اخلاف کے لیے چلنے اور ترقی کرنے کی راہ ہموار کی تھی ۔ اور ایسا بھی نہیں کہ سید انشاء اپنے اجداد کے قائل نہ ہوں ۔ انہیں اپنی شرافت ِ نسب اور خاندانی عظمت کا بہت احساس تھا ۔ اس قسم کے اعلانات انہوں نے مختلف مقامات پر کر رکھے ہیں ۔ اور باپ کی تعریف تو انہوں نے 'سلک ِ گوہر' کے اختتامیے میں جی بھر کر کی ہے ۔ مگر اجداد کے بنائے ہوئے رستے پر چلنا انہیں گوارا نہ ہوا ۔ طبابت کے پیشے سے ہٹ کر زندگی کرنے کا رستہ نکالا ۔

تعلیم انہوں نے روایتی پائی تھی ۔ اس زمانے میں جن علوم کا چرچا تھا وہ سب ِ سیکھے ، منطق پڑھی ، فلسفہ پڑھا ۔ عربی سیکھی ، فارسی سیکھی ۔ ان زبانوں کے علاوہ بھی مختلف زبانیں سیکھ ڈالیں ۔ ترکی ، ہندی ، پوربی ، پشتو ، پنجابی ، کشمیری ، بنگلہ ، یہ مختلف زبانیں انہوں نے اس شان سے سیکھیں اور علوم

پر اتنی قدرت حاصل کی کہ وہ آسانی سے ایک عالم کا روپ دھار سکتے تھے۔ مگر علمی روایت تو خود ایک حصار ہے۔ یہ روایت آدمی سے خالص ذہنی زندگی گزارنے کا اور تجربوں سے بے تعلق ہو جانے کا تقاضا کرتی ہے۔ جس آدمی نے اپنی شخصیت کے سارے دریچے تازہ ہوا کو آنے دینے کے لیے وا کر رکھے ہوں، وہ آدمی مجرّدات کی دنیا میں مقید ہو کر کیسے بیٹھ جاتا۔ سید انشاء صاحبِ علم و فضل ضرور تھے مگر وہ تجربوں کا دروازہ اپنے اوپر بند نہیں کر سکتے تھے۔ میاں بیتاب نے یہ نکتہ نہ سمجھا اور حکم لگا دیا کہ سید انشاء کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا۔ عالم اپنے فضل و کمال سے نہیں اپنے علمی رویے سے پہچانا جاتا ہے۔ سید انشاء کا رویہ ہی علمی نہیں تھا۔ وہ مجردات میں نہیں سوچ سکتے تھے، IMAGES میں سوچتے تھے۔ 'دریائے لطافت' ان کا علمی کارنامہ ہے۔ مگر یہ دیکھیے کہ کیا ماہرینِ لسانیات اور علمائے قواعد زبان کے مسائل کے بارے میں اس رنگ میں سوچا کرتے ہیں۔ طبقوں اور شہروں کے لہجوں میں فرق کرتے کرتے وہ معاشرتی تصویریں بنانے لگتے ہیں اور کردار تخلیق کرنے لگتے ہیں۔ ایسا رویہ رکھنے والا شخص اپنے منفرد انداز میں اکا دکا علمی کارنامے تو انجام دے سکتا ہے مگر روایتی قسم کا عالم نہیں بن سکتا۔ اس رویے کے ساتھ تو آدمی شاعر اور افسانہ نگار ہی بن سکتا ہے۔

سید انشاء جس خمیر کے بنے تھے اس کا تقاضا ہی یہ تھا کہ وہ شاعر بنتے۔ مگر بنے بنائے رستے تو شاعری میں بھی ہوتے ہیں۔ اور اردو شاعری سید انشاء کا وقت آتے آتے اپنی مختلف اصناف

کے لیے مختلف سانچے وضع کر چکی تھی ۔ مگر انشاء اپنی فطرت سے مجبور تھے ۔ یہاں بھی انھوں نے بنے بنائے رستوں سے ہٹ کر چلنے کی کوشش کی ۔ انھوں نے غزل کے اسلوب میں غزل نہیں لکھی اور قصیدے کے اسلوب میں قصیدہ نہیں لکھا ۔

سید انشاء کی غزل کو غیر متغزلانہ غزل کہنا چاہیے ۔ وہ داخلی واردات سے زیادہ خارجی تجربوں میں یقین رکھتے تھے ۔ یہ خارجی تجربے الگ قسم کی بوباس لے کر ان کی غزلوں میں در آئے ۔ یہ بوباس ہندی روایت کی بوباس تھی ۔ انشاء اگر سیدھی سادی درباری زندگی گزارتے تو شاید خارجی تجربوں میں ایمان کے با وصف وہ عجمی روایت ہی میں محصور رہتے مگر وہ تو میلے ٹھیلے والے آدمی تھے ۔ ان کی روح کا غنچہ دربار میں نہیں ، میلوں ٹھیلوں میں آکر کھلتا تھا ۔ اس فضا میں انھیں زندہ و تازہ حسیّاتی تجربوں سے واسطہ پڑا ۔ ادبی اظہار کی ہندی روایت سے انھیں اپنے علم و فضل کے طفیل شناسائی تھی ۔ میلوں کی فضا میں انھوں نے اس روایت کو جیتی دھڑکتی صورت میں دیکھا ۔ اس اثر میں آکر ان کی غزل کا رنگ ڈھنگ ہی بدل گیا ۔ اظہار کی عجمی روایت کے واسطے سے استعاروں ، تشبیہوں ، تلمیحوں ، ترکیبوں اور لہجوں کا جو ذخیرہ اردو غزل نے اکٹھا کر لیا تھا اس سے گزر کر انھوں نے ہندی روایت سے استعارے ، تشبیہیں اور تلمیحیں مستعار لیں اور فارسی آمیز اردو کے حصار کو توڑ کر انھوں نے ایسی ہندی لغت کو اپنایا جسے ثقہ غزل گویوں نے غیر شاعرانہ زبان جانا مگر جو اس شاعر کے تجربوں کے مزاج کے عین مطابق تھی ۔

سید انشاء کا اصلی رنگ تو یہی تھا مگر انھوں نے اس اصلی رنگ میں ادھر ادھر کے رنگ بھی بہت ملائے ہیں ۔ زندہ و تازہ حسیّاتی تجربوں کے ساتھ ساتھ ذہانت کے کرشمے اور فطانت کے مظاہرے بھی بہت نظر آتے ہیں ۔ آخر انشاء کو دربار میں بھی تو اپنی قابلیت کے جھنڈے گاڑنے تھے اور حریف ہم عصروں کو بھی پچھاڑنا تھا ۔ اس وقت کی مخصوص ادبی فضا میں یہ کام محض اپنے شعری تجربے سے معاملہ رکھ کر انجام نہیں دیا جا سکتا تھا ۔ اس کے لیے تو دوسرے ہی حربے استعمال کرنے تھے ۔ یا شاید انشاء کو یوں بھی اپنی ذہانت کے کرشمے دکھانے کا بہت چسکا تھا ۔ ذہانت کے کرشمے انھوں نے یوں بھی دکھائے کہ اردو میں شعر کہتے کہتے عربی میں نکل گئے یا ترکی میں طبع آزمائی کرنے لگے ۔ آدمی ہفت زبان تھے اس لیے ایسی طبع آزمائی ان کے لیے کیا مشکل تھی ۔

سید انشاء ہفت زبان بھی تھے اور ہفت رنگ بھی تھے ۔ کہہ لیجیے کہ ایک ہمہ گیر شخصیت تھے ۔ بس یوں سمجھیے کہ ان کی شخصیت میں کچھ امیر خسرو کی شخصیت کا پرتو نظر آتا ہے اگرچہ وہ خود اپنے آپ کو شیخ سعدی کہنا زیادہ پسند کرتے ہیں :

شیخ سعدیِ وقت ہے انشاء
تو ابوبکر سعدِ زنگی ہے

ایسی شخصیت کسی ایک صفت میں اظہار پر قناعت نہیں کر سکتی تھی ۔ انشاء نے صرف یہی نہیں کہ مختلف اصنافِ شعر

کو برتا بلکہ شاعری سے نکل کر اور بھی مختلف اصناف اور مختلف میدانوں میں اپنا اظہار کیا ۔ ان کی تصانیف پر ایک سرسری نظر ڈال لینے سے ہی تھوڑا بہت اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس ہمہ گیر شخصیت نے اظہار کے کتنے مختلف علاقوں کو اپنے احاطے میں لیا ہے :

۱ ۔ کلیاتِ شعر ۔ اس کے اجزا یہ ہیں :

(الف) دیوان غزلیاتِ اردو ۔

(ب) دیوانِ ریختی ۔

(ج) قصائد اردو و فارسی ۔

(د) دیوان غزلیاتِ فارسی ۔

(ہ) مثنویاں فارسی اور اردو میں ۔

(و) ہجویات ، کچھ کیڑے مکوڑوں کے حوالے سے جیسے مکھی ، مچھر ، بھڑ ، کھٹمل ۔
کچھ اشخاص کے بارے میں جیسے گیان چند ساہوکار اور میاں مصحفی کے بارے میں ۔

(ز) دیوانِ بے نقط ۔

(ح) شرح مائتہ عامل ۔

(ی) متفرق اشعار ۔ رباعیات ، قطعات ، فردیات ، چیستان ، پہیلیاں ۔

۲ - دریائے لطافت - جس کا پہلا حصہ انشاء نے اور دوسرا حصہ
مرزا قتیل نے لکھا -

۳ - لطائف السعادت - بچپن لطیفوں کا مجموعہ جو نواب سعادت
علی خاں نے کہے اور سید انشاء نے اپنے
طرز میں قلمبند کیے -

۴ - ترکی روزنامچہ - ۱۲ جولائی ۱۸۰۸ع سے ۱۸ اگست ۱۸۰۸ع
تک کے روزمرہ کے واقعات -

۵ - رانی کیتکی کی کہانی -

۶ - سلکِ گوہر -

یہ ایک ایسی شخصیت کی تصانیف کا نقشہ ہے جو کسی
ایک صنف میں اظہار پر قانع نہیں رہ سکتی تھی - ہمہ رنگ طبیعت
تقاضا کرتی تھی :

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

سید انشاء نظم اور نثر دونوں میں یکساں رواں تھے - شاعری
کی کسی صنف میں بند نہیں تھے - غزل ، قصیدہ ، مثنوی ، رباعی —
ان مختلف اور متنوع اصناف میں طبع آزمائی کی اور مختلف زبانوں میں
کی - اردو ، فارسی ، عربی ، ترکی ، پوربی ، پشتو ، مارواڑی — ان
مختلف زبانوں میں شعر کہے اور اپنی زبان دانی کے جوہر دکھائے -

نثر میں کہانیاں لکھیں ، واقعہ نویسی کی ، مزاح نگاری کی

اور علمی کام کیا - مؤخرالذکر کی مثال 'دریائے لطافت' ہے - اس کتاب کی اول تو اپنی ایک اہمیت ہے - پھر اس سے ضمنی طور پر ایسی باتیں ہمیں معلوم ہوتی ہیں جو سید انشاء کے تخلیقی کام کے مطالعے میں ممد ہو سکتی ہیں - سید انشاء پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو زبان کی اصلیت اور ساخت پر علمی انداز میں غور و فکر کیا اور اس کا ایک بصیرت افروز تجزیہ پیش کیا - اس سے پہلے اردو کے بارے میں اس قسم کا مطالعہ بعض مغربی علما نے ضرور کیا تھا مگر خود اردو والوں میں سے کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی - اصل میں ان لوگوں نے ابھی اردو کو ایک خود مختار زبان کے طور پر قبول نہیں کیا تھا - اظہار اردو میں کرتے تھے مگر سند فارسی کو سمجھتے تھے - 'دریائے لطافت' اردو کی خود مختاری کا اعلان ہے - انشاء نے صاف صاف اعلان کیا کہ :

> "ہر لفظ جو اردو میں مشہور ہو گیا ، عربی ہو یا فارسی ، ترکی ہو یا سریانی ، پنجابی ہو یا پوربی ، از روئے اصل غلط ہو یا صحیح ، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے - اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر خلافِ اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے - اس کی صحت و غلطی اردو کے استعمال پر موقوف ہے - کیونکہ جو کچھ خلافِ اردو ہے غلط ہے گو اصل میں وہ صحیح ہو اور جو کچھ موافقِ اردو ہے صحیح ہے گو اصل

میں صحت نہ رکھتا ہو۔''

پھر 'دریائے لطافت' سے ہمیں انشاء ناول نگار کا سراغ ملتا ہے۔ انشاء 'دریائے لطافت' کے پردے میں غیر شعوری طور پر ایک ناول لکھتے دکھائی دیتے ہیں۔ بول چال کے نمونے پیش کرنے کے بہانے وہ اپنے عہد کی معاشرتی زندگی کی عکاسی شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ کردار تخلیق کرتے ہیں ــ بی نورن، میر شفر غینی، موتی خانم، براتی بیگم، بھاڑا مل ــ یہ کردار مختلف طبقوں اور مختلف تہذیبی منطقوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ پوری صلاحیت رکھتے ہیں کہ اپنی گفتار اور کردار کے ذریعے ایک پورے معاشرے کی رنگا رنگ زندگی کی ایک تصویر پیش کریں۔ انشاء بظاہر ان کرداروں کے ذریعے مختلف طبقوں، مختلف شہروں اور مختلف تہذیبی اکائیوں کی زبان کا فرق دکھا رہے ہیں مگر اس پردے میں وہ ان کے عادات و اطوار، ادب آداب، شغل اشغال، رسوم و رواج اور معتقدات کو بیان کر جاتے ہیں۔ گویا وہ یہ بتا رہے ہیں کہ زبان کے ذریعے تہذیب تک رسائی ممکن ہے اور روزمرہ کو گرفت میں لا کر پوری معاشرتی زندگی کو گرفت میں لایا جا سکتا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر لکھنؤ جس زبان کی شاعری کے لیے بدنام ہے اس کے معنی ہی بدل جاتے ہیں۔

بہر حال انشاء نے ایسے کردار تو تخلیق کر لیے جو اپنے عہد کی معاشرتی زندگی کی نمائندگی کر سکتے۔ وہ اتنے جاندار ہیں کہ ان کے روپ میں ایک معاشرہ متحرک نظر آتا ہے۔ مگر حادثہ یہ ہوا کہ ان کرداروں کو بڑھنے پھیلنے کے لیے زمین میسر نہیں

آئی - بس وہ اپنی ایک ایک جھلک دکھاتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں - مگر اس میں قصور انشاء کا نہیں ، اس وقت کی ادبی روایت کا ہے - اس وقت کی فکشن کی روایت میں اظہار ماضی کے پیرائے میں ہوتا تھا - ہمعصر زندگی کو بھی پیش کرنا مقصود ہوتا تو اسے ماضی کے استعارے میں ڈھال کر پیش کیا جاتا - مغرب کی دریافت کی ہوئی فکشن کی وہ اصناف ابھی یہاں نہیں پہنچی تھیں جن میں قصہ بیان کرنے والا براہِ راست ہمعصر زندگی سے نبرد آزما ہوتا ہے - یوں لگتا ہے کہ انشاء اندھیرے میں کچھ ڈھونڈ رہے ہیں -انھیں ایک ایسے طریقِ اظہار کی تلاش ہے جس میں وہ اپنے عصری تجربے اور معاشرتی مشاہدات کو سمو سکیں - اس کوشش میں وہ چند معاشرتی کردار تو تخلیق کر لیتے ہیں مگر اس سے آگے انھیں رستہ نہیں ملتا - یہ کردار 'دریائے لطافت' کے لسانی مباحث میں بہہ جاتے ہیں اور سید انشاء ہر پھر کر رانی کیتکی کی کہانی لکھتے ہیں جو قصہ کہانی کی مروجہ روایت کے مطابق تخیلی ماضی کے چوکھٹے میں حرکت کرتی ہے -

سید انشاء نے دو کہانیاں لکھی ہیں : 'سلکِ گوہر' اور 'داستان رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی' - دونوں کہانیوں میں کچھ تجربے کیے گئے ہیں - اردو میں اب تک شاعری کی روایت تو مختلف مرحلے طے کر چکی تھی ، وہاں شاعر کے لیے نئے تجربے کرنے کی گنجائش تھی مگر اردو نثر نے ابھی زیادہ مرحلے طے نہیں کیے تھے - بیان کے اسلوب ابھی بن رہے تھے - ایسے میں تجربے کرنے کی نیت کرنا جان جوکھوں کا معاملہ تھا - مگر انشاء نے دو کہانیاں لکھ کر اردو نثر میں دو

تجربے کر ڈالے ۔ 'سلک گوہر' غیر منقوط نثر لکھنے کا تجربہ ہے ۔
'رانی کیتکی کی کہانی' خالص اردو لکھنے کا تجربہ ہے ۔

اپنے آوپر اظہار کی پابندیاں عاید کرنا اور ان پابندیوں پر عبور پا کر اپنی قدرتِ اظہار کا ڈنکا بجانا یہ سید انشاء کا خاص شوق تھا ۔ اس شوق میں انھوں نے نظم و نثر دونوں میدانوں میں مختلف تجربے کیے ۔ ادب میں تجربے کرنے کی اپنی ایک قدر و قیمت ہے ۔ اس راستے سے اظہار کے نئے نئے راستے دریافت ہوتے ہیں اور ادبی روایت میں بیان کی وسعت پیدا ہوتی ہے مگر اس کے بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ تجربے کے نتیجے میں فن پارہ کس قدر و قیمت کا برآمد ہوا ۔

آئیے پہلے یہ دیکھیں کہ 'رانی کیتکی کی کہانی' کس نوع کا تجربہ ہے ؟ اس کی کیا قدر و قیمت ہے ؟ اس کے نتیجے میں کس قسم کے فن پارے نے جنم لیا ہے ۔

یہ تو ظاہر بات ہے کہ سید انشاء ادب میں تجربے کرنے کا خاص میلان رکھتے تھے ۔ اس میلان کے تحت انھوں نے ایک ایسی کہانی لکھنے کی ٹھانی جس میں عربی اور فارسی لغت مطلق نہ آئے ۔ مگر شاید اس تجربے کا مفہوم اس سے وسیع تر بھی ہے ۔ یہ تجربہ آردو زبان کی خود مختاری کا اعلان ہے ۔ یہ وہی بات ہے جو 'دریائے لطافت' کے ذیل میں کہی گئی تھی ۔ سید انشاء ایک ایسے زمانے میں جی رہے تھے جب آردو کو عربی اور فارسی زبانوں کا ضمیمہ سمجھا جاتا تھا ۔ سید انشاء کو اصرار تھا کہ آردو ان دو

زبانوں سے الگ ایک زبان ہے جس کا اپنا مزاج اور اپنا قانون ہے - اس اصرار کے نتیجے میں ایک تو 'دریائے لطافت' لکھی گئی جہاں اردو زبان کی ساخت اور قوانین کا تعین کیا گیا ، پھر زیر بحث کہانی لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اردو میں عربی اور فارسی الفاظ کا شرمندۂ احسان ہوئے بغیر بھی اظہار ممکن ہے - جس کا مطلب یہ ہوا کہ اردو ان دو زبانوں سے استفادہ کیے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہے -

رانی کیتکی کی کہانی اگر ایک تخلیقی کارنامہ نہ ہوتا تو بات یہاں آ کر ختم ہو جاتی - کسی نظریے کو ثابت کرنے کے لیے یا اس کی تبلیغ کرنے کے لیے ایک تحریر لکھنا ایک بات ہے ، اس تحریر کا ایک تخلیقی کارنامہ ہو جانا دوسری بات ہے - جب ایک تحریر تخلیقی کارنامے کی خوبیوں سے متصف نظر آئے تو اسے جاننے اور سمجھنے کے لیے نظریاتی توجیہ سے آگے جانا ضروری ہو جاتا ہے - اس سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ اس کہانی کی جو فضا ہے وہ انشاء کے یہاں پہلی مرتبہ تعمیر نہیں ہوئی ہے - اس کی جھلکیاں ان کی دوسری تحریروں میں جابجا ملیں گی - ایسے لفظ ، اشارے کنائے ، علامتیں اور تلمیحیں جن سے اس کہانی کی فضا مرتب ہوئی ہے اور جو مل جل کر ایک مخصوص طرزِ احساس کی غمازی کرتی ہیں ان کی غزلوں میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں - اب ذرا یہ اشعار دیکھیے :

لیا گر عقل نے منہ میں دلِ بیتاب کا گٹکا
تو جوگی جی دھرا رہ جائے گا سیماب کا گٹکا

مہادیو آترے جو کیلاس سے اپنی جٹا کھولے
تو شاید بن سکے اس جوگ کے بیراگ کا جوڑا

کسی جوگی نے چھومنتر سکھایا ہے مجھے انشاء
لیے پھرتا ہوں میں چٹکی میں اپنی ماش کا جوڑا

لپٹ کر کشن جی سے رادھکا یونہی لگی کہنے
ملا ہے چاند سے اے لو اندھیرے پاکھ کا جوڑا

ایک غزل اس مقطعے پر ختم ہوتی ہے :

کہہ کہانی کے سمے کی غزل اک انشاء اور
کہ بلائیں تری یہ چھلا پھر لیتا ہے

اور اس کے بعد یہ غزل سنائی جاتی ہے جو داستانوں اور کہانیوں کے معروف کنایوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے :

اے پری تیرے مزے ایک بشر لیتا ہے
اور خرّاٹے پڑا دیوِ سحر لیتا ہے

تکیہ جو فضلِ خدا ساز پہ کر لیتا ہے
وہ سبک رو کوئی گڑھ پنکھ کے پر لیتا ہے

اژدہائے شبِ یلدا کو کرے ہے ٹکڑے
اور ان ٹکڑوں کو دھر زیرِ سپر لیتا ہے

اس کو خواہش نہیں ہوتی ہے الوپ انجن کی
باندھ کر سوت رہِ تار نظر لیتا ہے

منہ پہ جوگی کے کھڑاویں وہ پٹک مارے ہے
اس توکل پہ فقط باندھ کمر لیتا ہے

نہ کوئی دیکھے اسے اور وہ سب کو دیکھے
ٹوپی اس روپ کی کب کوئی نڈر لیتا ہے

ضد سے ہر شاخ کے وہ بھتنے کی صورت نجار
ہاتھ میں اک کوئی نو من کا تبر لیتا ہے

فکر کی چیز تو رکھتا ہی نہیں کچھ انشاء
خضرِ ہمت کو فقط سامنے دھر لیتا ہے

شیر کی کھال بچھا اور ملی تن پہ بھبوت
گہ جوگی کی طرح رہتے ہیں آسن مارے

حبس دم کرکے کبھی ہوتے ہیں آونجے تو بس
چرخِ چارم پہ چلے جاتے ہیں آسن مارے

گنگا ، الوپ انجن ، شیر کی کھال ، بھبوت ملے بدن ، کھلی جٹاؤں والے جوگی گہ کیلاش پہاڑ سے آترتے ہوئے گہ فضا میں آڑتے ہوئے - یہ پوری امیجری جو یہاں الگ الگ شعروں میں جھلک دکھا رہی ہے 'رانی کیتکی کی کہانی' کی امیجری ہے - یہ تصویریں جس تخیل اور جس مشاہدے کی پیداوار ہیں وہ ہندو تہذیب کا پروردہ تخیل اور مشاہدہ ہے - سید انشاء نے میلوں ٹھیلوں میں

گھومتے پھرتے اس تہذیب کو تجربہ کیا اور اس کی تخلیق کی ہوئی کہانیوں، کرداروں اور پیکروں سے شناسائی حاصل کی۔ یہ کہانیاں، کردار اور پیکر انہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ انشاء ایک ایسے تخیل کے نمائندہ ہیں جو عجمی تہذیب کے منطقے سے نکل کر ہندی تہذیب کے منطقے کی طرف مائلِ پرواز ہے۔ غزلوں میں ہم اس تخیل کو دو تہذیبی منطقوں کے درمیان ڈانواڈول دیکھتے ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی وہ منزل ہے جب یہ تخیل ہجرت کرکے دوسرے تہذیبی منطقے میں سکونت پذیر ہو چکا ہے۔

ہندی تہذیب میں رچے بسے اس تخیل نے انشاء کی غزل پر اثر تو ضرور ڈالا لیکن غزل کی پختہ عجمی روایت نے اسے زیادہ رستہ نہیں دیا۔ بس اتنا ہوا کہ انشاء کی غزل کی رنگت تھوڑی سی بدل گئی، لیکن اس صنف میں یہ تخیل اپنا بھرپور اظہار نہیں کر سکا۔ اول تو اس صنف میں عجمی روایت اتنی پختہ و مستحکم ہے کہ کوئی دوسری تہذیبی روایت اسے پیچھے ہٹا کر چھا نہیں سکتی۔ پھر یہ صنف داخلی نوعیت کے تجربوں سے زیادہ مانوس ہے۔ انشاء کو جن تجربوں سے معاملہ تھا وہ اول تو خارجی نوعیت کے تھے جو فکشن کی اصناف سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ پھر یہ تجربے ہندی تہذیب کی کوکھ سے پیدا ہوئے تھے۔ ان وجوہ سے انشاء غزل سے گزرے اور وسعتِ بیان کی تلاش میں کہانی تک پہنچے۔ اور یہ ہم 'دریائے لطافت' کے ذیل میں دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس شخص کے اندر ایک افسانہ نگار چھپا بیٹھا تھا۔ وہ ناول کی صنف تک تو رسائی نہیں حاصل کر سکا البتہ اپنے عہد کی مروجہ افسانوی صنف کہانی میں اس نے اظہار کی راہ نکل

لی ۔ انشاء دیباچے میں ہمیں بتاتے ہیں :

> ''ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھ آئی کہ کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی چھٹ اور کسی بول سے نپٹ نہ ملے ، تب جاکے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے ۔''

اگرچہ اس بیان کا عنوان ہے ''ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا''، مگر یہ بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسئلہ صرف انوکھی بات کے ڈول ڈالنے کا نہیں ہے بلکہ کچھ تجربے ہیں جو انہیں پریشان کر رہے ہیں اور اظہار کے متقاضی ہیں ۔ وہ غزل کی صنف میں اظہار نہیں ہو پا رہے ہیں ۔ ان تجربوں کے تقاضے کے تحت سید انشاء بالآخر یہ محسوس کرتے ہیں کہ کہانی ایک ایسی صنف ہے جس میں اظہار کرکے وہ ان تجربوں سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں ۔ غزل میں اظہار ہوا تھا مگر ادھورا اس لیے جی پھول کی کلی کے روپ نہیں کھلا ۔ بس یہ احساس رہا کہ کوئی بات ہے جو پوری طرح معرضِ اظہار میں نہیں آ رہی ۔ ایک وجدان کے تحت انھوں نے یہ جانا ہے کہ بھرپور اظہار — ایسا اظہار جس کے نتیجے میں جی پھول کی کلیٔ کے روپ سے کھل اٹھے — کہانی میں ہو سکے گا ۔

اب ہم یہ اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ سید انشاء نے یہ کہانی محض اپنی قدرتِ اظہار کا ڈنکا بجانے کے لیے نہیں لکھی تھی بلکہ اندر کا تقاضا تھا جس نے انہیں یہ کہانی لکھنے پر مجبور کیا ہے ۔ جو نثری تجربہ اس کہانی میں کیا گیا ہے وہ بھی اسی اندر

کے تقاضے کا نتیجہ ہے - گویا یہ تجربہ برائے تجربہ نہیں ہے بلکہ واردات کی خاصیت کی رعایت سے ہے - اصل میں آردو فکشن کی روایت آردو شاعری کی روایت سے بالعموم اور آردو غزل کی روایت سے بالخصوص بہت مختلف ہے - آردو شاعری اور بالخصوص اردو غزل کی روایت کی طرح اردو فکشن کی روایت مخصوص طور پر عجمی تہذیب کی جاگیر نہیں ہے - یہاں عجمی اور ہندی تہذیب کے رنگ ساتھ ساتھ چلتے نظر آتے ہیں - ان کے اثر کے تحت دو الگ الگ اسالیب نے جنم لیا ہے - ایک فارسی آمیز نثر کا اسلوب اور ایک ہندی آمیز نثر کا اسلوب - بعض مقامات پر مثلاً 'قصہ چہار درویش' میں یہ دو تہذیبیں اور ان کے واسطے سے یہ دو نثری اسلوب گلے ملتے نظر آتے ہیں - خیر یہاں تو یہ جتانا مقصود ہے کہ ہندی نژاد فکشن اور ہندی آمیز اسلوب کی روایت بھی آردو میں بہت پختہ ہے - قدیم سنسکرت سے جو کہانیاں اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں وہ اسی اسلوب میں ہوئی ہیں - مثلاً 'بیتال پچیسی' اور 'سنگھاسن بتیسی' - یہ روایت میراجی کے 'نگارخانے' اور مولانا چراغ حسن حسرت کی 'پربت کی بیٹی' کے حوالے سے ہمارے زمانے تک پہنچی ہے اور آرزو لکھنوی نے شاعری میں 'خالص اردو' کی تحریک چلانے کی کوشش کی - ان کی 'سریلی بانسری' 'رانی کیتکی کی کہانی' کی مثال پر اظہار کے ایسے اسلوب کی تلاش ہے جو فارسی عربی کے لسانی اثرات سے یکسر بے نیاز ہے -

'رانی کیتکی کی کہانی' براہِ راست کسی قدیم سنسکرت کہانی کا ترجمہ نہیں ہے مگر جن اجزا و عناصر سے اس کہانی کا خمیر اٹھا ہے، وہ فکشن کی اسی قدیم ہندی روایت سے ماخوذ ہیں اور یہ

کہ یہ اجزا و عناصر ہندی اجتماعی تخیل میں رچے بسے ہیں - سو اس کہانی کی تہ میں ہندو معتقدات اور توہمات کارفرما نظر آئیں گے -

واردات کی بعض صورتیں عجمی افسانوی روایت اور ہندی افسانوی روایت میں مشترک ہیں مگر اپنی اپنی تہذیب کے لحاظ سے ان کا رنگ بدل گیا ہے - مثلاً آدمی کا کسی ترکیب سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جانے کا تصور دونوں روایتوں میں موجود ہے - مگر اول الذکر روایت میں یہ واقعہ سلیمانی ٹوپی کی کرامات سے گزرتا ہے ، ثانی الذکر روایت میں الوپ انجن اس کا نسخہ ہے - رانی کیتکی کی کہانی میں یہی نسخہ استعمال ہوتا ہے - رانی کیتکی گرو مہندر گر کا دیا ہوا بھبوت آنکھوں میں لگاتی ہے اور سب کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے -

خطر پسند مہم جو شہزادے دونوں روایتوں میں رستہ بھولتے ہیں اور مشکلات میں پھنستے ہیں مگر ہندی افسانوی روایت میں شہزادہ بالعموم ہرن یا ہرنی کا پیچھا کرتے ہوئے رستہ بھولتا ہے - ہرن ہندی کہانیوں میں چھل فریب کی علامت ہے - شاید یہ رامائن کا اثر ہے - راجہ رام چندر جی ایک خوبصورت ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے کہیں سے کہیں نکل گئے - آخر میں پتا چلا کہ وہ ہرن نہیں تھا ، وہ تو راون نے یہ بھیس لیا تھا - ہرن مختلف ہندی کہانیوں میں شہزادوں کو اسی طرح جُل دیتا ہے - ظاہر میں ہرن ، حقیقت میں کچھ اور - چندر بھان ایک خوبصورت ہرنی کا پیچھا کرتے کرتے راہ سے بے راہ ہوتا ہے - یہ راہ عشق کی طرف مڑ جاتی ہے - غزال صفت کیتکی کے عشق میں خراب ہو کر خود

ہرن بن جاتا ہے ۔ گرو مہندر گر کے قہر نے اسے ہرن بنایا تھا ۔
گرو مہندر گر کی دیا ہی سے وہ واپس آدمی کی جُون میں آتا ہے ۔
عشق کا سفر یوں پورا ہوتا ہے اور کیتکی سے اس کا ملاپ
ہوتا ہے ۔

کایا کلپ پرانی داستانوں اور کہانیوں کا معروف مضمون
ہے ۔ وہاں عشق میں خراب ہونے والے اتنے خراب ہوتے ہیں کہ
اپنی جُون میں نہیں رہتے ۔ کبھی بندر بن گئے ، کبھی ہرن بن
گئے ، کبھی کتا ، کبھی مکھی ۔ یہ عشق میں خواری کی مختلف
صورتیں ہیں ۔ مگر عشق میں ثابت قدمی کی بدولت آدمی پھر قعر مزلت
سے نکلتا ہے اور انسان کے قالب میں آ جاتا ہے ۔ عشق میں آدمی
اپنے آپ کو کھوتا ہے اور عشق ہی کے وسیلے سے اپنے آپ کو
پاتا ہے ۔ عشق پرانی کہانیوں میں اپنی ذات کو کھونے اور
پانے کا عمل ہے ۔ یہ وہ سفر ہے جس میں ذات کی شناخت پہلے گم
ہوتی ہے اور پھر ایک اذیت بھرے عمل سے گزرنے کے بعد زیادہ
کھرے پن کے ساتھ واپس آتی ہے ۔

یوں کہیے کہ اس کہانی میں ایک تہذیب اپنے مخصوص
معتقدات اور توہمات کے ساتھ اظہار پاتی ہے اگرچہ لکھنے والا اسی
کے ساتھ اپنے ذاتی عقیدے کا اعلان بھی کر دیتا ہے جو اس سے
مختلف ہے ۔ اس کہانی کا آغاز یا پیش لفظ بظاہر رسمی ہے مگر
اس کہانی کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہ رسمی نہیں رہتا ۔ اس
زمانے میں یہ رسم تھی کہ اردو کا لکھنے والا جب لکھنے بیٹھتا
تو پہلے خدا کی وحدت کا اقرار کرتا ، پھر رسولؐ کی رسالت پر

اپنے ایمان کا اعلان کرتا ، پھر ائمۂ اطہار پر درود و سلام بھیجتا ، اصحاب کبار کی مدح لکھتا ۔ اس رسم کے تحت مثنوی لکھنے کے آداب یہ قرار پائے کہ پہلے حمد ، پھر نعت ، پھر منقبت ، اس کے بعد کہانی کا آغاز ہوتا ۔ ہندو شاعر بھی جب اس صنف میں قلم اٹھاتا تو ان آداب کو بجا لاتا کیونکہ اس نے اب ایک رسم کی شکل اختیار کر لی تھی اور شاعر کے لیے اس کا مطلب لازماً عقیدے کا اعلان نہیں رہا تھا بلکہ ایک ادبی رسم کی پابندی تھی ۔ لیکن انشاء نے یہ کہانی اردو قصہ کہانی کی اس روایت میں لکھی ہے جہاں ایسی رسم نہیں تھی ۔ اس لیے کہ یہ روایت تو ایک دوسری ہی تہذیب کے اثر میں بنی تھی ۔ پس اس روایت میں کہانی لکھنا اور یہ اہتمام کرنا کہ عجمی اور عربی روایت کا اس پر سایہ نہیں پڑنے دیا جائے گا اور پھر حمد ، نعت اور منقبت کا اہتمام کرنا ۔ اس کے معنی اس کے سوا کیا ہوتے ہیں کہ لکھنے والا اپنے ذاتی عقیدے کو جتانا چاہتا ہے تاکہ اس کے ادبی تجربے اور اس کے ذاتی عقیدے کو گڈ مڈ نہ کیا جائے ۔

پس اس کہانی کی صورت یہ ہے کہ لکھنے والا اپنے ذاتی عقیدے کا واضح لفظوں میں اعلان کرتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک دوسرے تہذیبی منطقے میں داخل ہوتا ہے ۔ اس تہذیبی منطقے میں جو عقائد و تصورات جاری و ساری ہیں ، جو رسوم و توہمات کارفرما ہیں اور جو دیوی دیوتا تقدس کا درجہ رکھتے ہیں ان کو وہ اپنا تجربہ بناتا ہے اور اسے ایک تخلیقی شان کے ساتھ کہانی میں سموتا ہے ۔

ویسے سید انشاء ان قصہ نویسوں میں سے نہیں ہیں جو محض

معاشرتی حقیقت نگاری کے زور پر تہذیب کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ مثنوی ہو ، داستان ہو یا ناول ہو ، اس مزاج کے لکھنے والے کا طریقہ ہر جگہ یہ ہوتا ہے کہ قدم قدم پر رکتا ہے ، کہانی کو پس پشت ڈالتا ہے اور کسی بھی معاشرتی عمل کو اس کی ساری جزئیات و تفاصیل کے ساتھ بیان کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ معاشرتی نقشے جزئیات نگاری کے ساتھ پیش کرکے وہ سمجھتا ہے کہ اس نے تہذیب کی تصویر کشی کر دی ۔ سید انشاء کا طریقِ کار یہ نہیں ہے ۔ وہ معاشرتی مرقعوں کی خاطر کہانی کہنا ملتوی نہیں کرتے ۔ مگر وہ کہانی ایسی ہے جس کا خمیر ایک مخصوص تہذیب سے اٹھا ہے ۔ وہ تہذیب اپنے عقائد ، توہمات اور روایات کے حوالے سے کہانی کے رگ و ریشے میں پیوستی ہوئی ہے ۔ مگر معاشرتی مرقع نگاری کو انھوں نے یکسر رد بھی نہیں کیا ہے ۔ کہانی بیان کرتے کرتے جب اودے بھان اور کیتکی کی شادی کی منزل آتی ہے تب انشاء کا قلم معاشرتی جزئیات نگاری پر مائل ہوتا ہے ۔ شادی کی تیاریاں ، برات ، رخصتی ـــ یہ پورا بیان اس کہانی میں جزئیات نگاری کی ایک مثال ہے اور اس کے واسطے سے ایک پورا معاشرہ اپنے رسم و رواج کے ساتھ ہماری آنکھوں میں گھوم جاتا ہے ۔ یہ بات بھی کچھ نہ کچھ معنی رکھتی ہے کہ انشاء نے پوری کہانی میں بس ایک شادی کی تقریب کو جزئیات نگاری کے لیے منتخب کیا ہے ۔ شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تہذیب میں شادی کی تقریب ایک نمائندہ معاشرتی تقریب ہے ۔ صرف اس ایک تقریب کو بیان کرکے اس پوری معاشرت کا نقشہ پیش کیا جا سکتا ہے ۔

اس کہانی کی دریافت کی صورت یہ ہے کہ اس کا ایک نسخہ مولوی عبدالحق مرحوم کے بیان کے مطابق مسٹر کلنٹ، پرنسپل لامارٹن کالج، لکھنؤ کو دستیاب ہوا۔ وہ انھوں نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے رسالے میں شایع کرا دیا۔ ایک حصہ ۱۸۵۲ء میں اور دوسرا حصہ ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا۔ مولوی صاحب نے اسی سے نقل کرکے رسالہ اردو جلد ششم، ماہ اپریل ۱۹۲۶ء میں شایع کی۔ اس کے بعد منوہر لال زتشی کی وساطت سے انھیں ایک نسخہ ناگری میں چھپا ہوا ملا۔ اس نسخے کو سامنے رکھ کر رسالہ اردو میں چھپنے والے متن کی تصحیح کی گئی اور اسے سب سے پہلے ۱۹۳۳ء میں کتابی شکل میں شایع کیا۔ اسی نسخے کو پیشِ نظر رکھ کر خاکسار نے اس کہانی کو مرتب کیا۔ اس نسخے میں بالخصوص بعض الفاظ کے سلسلے میں گڑبڑ نظر آئی۔ مثلاً وہاں 'اوس' کو کہیں واؤ کے ساتھ اور کہیں واؤ کو منہا کرکے لکھا گیا ہے۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اس کا پرانا املا واؤ کے ساتھ ہے اور انشاء نے اسی طرح لکھا ہوگا اس لفظ کو واؤ کے ساتھ لکھا ہے۔ یہی روش مختلف دوسرے لفظوں کے سلسلے میں اختیار کی گئی ہے۔

'سلکِ گوہر' بھی نثر میں ایک تجربہ ہے مگر 'رانی کیتکی کی کہانی' سے مختلف قسم کا۔ 'رانی کیتکی کی کہانی' عربی و فارسی لسانی اثر سے مبرا زبان لکھنے کا تجربہ ہے، 'سلکِ گوہر' غیر منقوط نثر لکھنے کا تجربہ ہے۔

سید انشاء کا یہ تجربہ ان کے رانی کیتکی والے تجربے سے

اور بھی کئی معنوں میں مختلف ہے - رانی کیتکی کی کہانی کا جائزہ لیتے ہوئے ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ تجربہ انشاء کی ذات کی گہرائیوں سے ابھرا تھا - وہ ایک ایسی ذات تھی جس نے بندی روایت سے نمو پائی تھی اور وہ اپنے اظہار کی تلاش میں تھی - غزل میں اس کا بھرپور اظہار نہیں ہو پایا تھا - آخر کو ایک کہانی کی صورت میں اس کا مکمل اظہار ہوا - اس بنا پر یہ کہانی محض 'خالص اردو' لکھنے کا تجربہ نہیں ہے بلکہ ذات کی گہرائیوں سے ابھرے ہوئے ایک تجربے کا تخلیقی اظہار ہے - لیکن کیا 'سلکِ گوہر' کے بارے میں بھی اس قسم کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے ؟ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ انشاء دو تہذیبی منطقوں میں بٹے ہوئے آدمی تھے - ایک تہذیبی منطقہ اپنے میلوں ٹھیلوں کے واسطے سے انشاء کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا - دوسرا تہذیبی منطقہ دربار کے واسطے سے ان کو باندھے ہوئے تھا - اول الذکر منطقے میں ان کی روح آباد تھی ، ثانی الذکر منطقہ ان کے لیے زندگی گزارنے کا وسیلہ فراہم کرتا تھا ، اس طرح سے ان کی شخصیت دو رنگی ہو گئی تھی - یا یوں کہہ لیجیے کہ اصل ذات پر درباری زندگی کا ایک پرت چڑھ گیا تھا - بے نقط زبان لکھنے کی ان کی کوششیں بالعموم اس اوپر کے پرت کی ترجمان ہیں -

انشاء کے یہاں درباری زندگی کے طفیل جو گوناگوں ادبی چسکے پیدا ہوئے تھے ان میں ایک چسکا غیر منقوط زبان لکھنے کا تھا - شاعری میں انھوں نے یہ چسکا خوب پورا کیا ہے - بے نقط قصیدہ لکھا ، ایک بے نقط مثنوی فارسی میں لکھی ، ایک بے نقط دیوانِ اردو میں ترتیب دیا - یہ ساری غیر منقوط شاعری ان کی

کلیات میں شامل ہے ۔ روایت ہے کہ چند سورتوں کی بے نقط تفسیر بھی لکھی تھی مگر اس تفسیر کا ذکر ملتا ہے ، خود تفسیر دستیاب نہیں ۔ بہر حال ان کی بے نقط نثر تو 'سلکِ گوہر' ہی کی صورت میں ہم تک پہنچی ہے ۔

اس زمانے میں بے نقط تحریر لکھنا قدرتِ اظہار کا اعلان سمجھا جاتا تھا اور سید انشاء کا مسئلہ یہ تھا کہ قدرتِ اظہار کے گوناگوں مظاہرے کرکے حریفوں کو نیچا دکھایا جائے ۔ بے نقط نظم و نثر بھی ان کے لیے اسی قسم کا مشغلہ تھی ۔ پس بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جہاں انھوں نے فارسی اور اردو میں بے نقط شعر لکھ کر اپنی قادرالکلامی کا مظاہرہ کیا وہاں نثر میں بھی یہ جوہر دکھانے کی ٹھانی اور ایک کہانی لکھ ڈالی ۔ سید امتیاز علی عرشی تو یہی کہتے ہیں کہ انشاء نے اپنی طبیعت کی اپج دکھانے کے لیے بے نقط اردو میں یہ کہانی لکھی ہے ۔ اگر عرشی صاحب کے اس محاکمے کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ یہ کہانی کسی گہرے تجربے سے برآمد نہیں ہوئی ہے بلکہ اپنی قدرتِ اظہار ثابت کرنے کی کوشش اور ہم عصروں پر اپنی برتری دکھانے کی خواہش کے تحت پیدا ہوئی ہے ۔ اور قدرتِ اظہار کا معاملہ یہ ہے کہ سید انشاء نے اپنے اوپر جو پابندی عائد کی اسے جیسے تیسے نباہ تو لیا ہے لیکن اس میں اظہار بہت رک رک کر ہوتا نظر آتا ہے ۔ اصل میں بے نقط زبان لکھنے کا التزام اتنی سخت پابندی ہے کہ اس سے بیان کے بہت سے راستے رک جاتے ہیں ۔ کہانی پڑھتے ہوئے قدم قدم پر یہ احساس ہوتا ہے کہ انشاء کے لیے ان بھاری بیڑیوں کے ساتھ چلنا بہت

دو بھر ہو رہا ہے ۔ وہ جو انشاء نے رانی کیتکی کی کہانی لکھتے ہوئے کہا تھا کہ کہانی ایسی کہیے کہ جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے تو اس بات کا اس کہانی پر اطلاق نہیں ہوتا ۔ کہانی انہوں نے بیشک لکھی ہے مگر جی آن کا پھول کی کلی کے روپ سے کھلتے کھلتے رہ جاتا ہے ۔ ویسے ان کی بے نقط شاعری میں تو جی پھول کی کلی کے روپ کہیں کھل ہی نہیں پاتا ۔ اسے ہم ایک مشّاق شاعر کی قادرالکلامی کے نمونے کے طور پر پڑھتے ہیں ۔

'سلکِ گوہر' کو انشاء کی بے نقط شاعری کے تسلسل میں پڑھا جاسکتا ہے مگر صرف ایک حد تک ۔ یہ کہانی دیوانِ بے نقط سے کسی نہ کسی حد تک پیوست ضرور نظر آتی ہے ۔ اول تو یہ کہ دونوں کی لغت میں ایک اشتراک پایا جاتا ہے ۔ پھر یہ کہ دیوان کے مختلف اشعار اس کہانی میں پروئے گئے ہیں ۔ بلکہ یوں بھی ہوا ہے کہ بند کے بند اس کہانی میں کرداروں کا مکالمہ بنا کر شامل کر لیے گئے ہیں ۔ مثلاً دیوان میں ایک مخمس ہے جس کا مطلع یہ ہے :

آگ لگاؤ گرم ہو آہ رہا سہا کرو
وہ کہ دراؤ والا ہو اس کو اکل کھرا کرو

ایک یہ بند اور ایک اس کے بعد کا بند کہانی میں گرو کے مکالمے کی حیثیت سے درج ہیں ۔

دیوان بے نقط میں ایک نثر پارہ بھی شامل ہے ۔ بلکہ یہ

دیوان ختم ہی اس نثر پارے پر ہوتا ہے :

''الحمد اللہ کہ آس مراد کا گل کھلا ۔ عطر سہاگ کا لگا کر ابلا گہلا وہ ماہ رو دولہا سا ہو کر امرد کم عمر سادہ سادہ ملک ماہرو ہمراہ ملکہ گوہر آرا وارد آرام محل ہوا ۔ سلسلہ کاکل کا محاورۂ آردو کا کھلا اور کام و کلام کا در وا رہا :

دل کھلا انشاء ادھر سُر راگ کا لگا
لاگ کا لگّا لگا اور آگ کا لگّا لگا

اللہ کا رحم اور رسم و رسول ادا کر اوس ہم عمر محرم اسرار دل آرام کا گل گلا سا گل ملا اور گدگدا کر اوس کو کہا ۔ مور کوکا اور حور اس ملہار کا اور لہرا لہرا کر راگ کا ابا ہا ہا ، اہو ہو ہو ۔''

اس بیان کا دیوان کے اندر کوئی آگا پیچھا نہیں ہے لیکن 'سلک گوہر' کے بیان سے یہ بیان مربوط نظر آتا ہے ۔ ملکہ گوہر آرا اس کہانی کی ملکہ ہے ۔ یہ بیان اس وقت کا ہے جب ملک روس کی شادی ملکہ گوہر آرا سے انجام پاتی ہے اور وہ حجلۂ عروسی میں داخل ہوتا ہے ۔ مگر کہانی میں یہ بیان کسی قدر مختلف ہے ۔ ویسے دونوں بیانوں کا موازنہ کیا جائے تو لگتا یہی

ہے کہ اول الذکر بیان کو پیشِ نظر رکھ کر دوسرا بیان لکھا گیا ہے۔ وہ یوں ہے :

> ''اللہ اللہ وہ آس مراد کا موسم اور اس دولہا کا طرۂ الماس اور لعل کا عالم۔ اور وہ سہرا سلسلۂ گوہر اور گل کا اہلا گہلا، اور وہ ہارِ مرصع کا لہلہا، اور وہ سہاگ کا عطر، اور وہ محل سرا کا معاملہ، اور گھر کا وہ سُر راگ علاحدہ علاحدہ اور طور کا۔ اور کل رسم و رسوم اور معمول، اور اللہ کا رحم، اور دھوم دھام، اور وہ ماہ رو کا گل گلا سا دل اور اس دم کا حال ....''

سید انشاء نے بے نقط نثر کا التزام کر کے اپنے آپ پر اظہار کے بہت سے رستے بند کر لیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا قلم فراٹے سے نہیں چلتا بلکہ ایک مخصوص دائرے کے اندر گھومتا ہے۔ گنے چنے الفاظ ہیں جن سے باہر وہ نہیں نکل پاتے۔ گھوم پھر کر وہی الفاظ بار بار ان کے قلم سے نکلتے ہیں۔ اس طرح سے تحریر میں ایک تکرار کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ پھر اس گنے چنے الفاظ کے ذخیرے میں بھی ایسے الفاظ بہت ہیں جو نہ بول چال کا حصہ ہیں اور نہ تحریری زبان میں مستعمل ہیں۔ انشاء کو بے نقط نثر میں اظہارِ مطلب کی مجبوری کے تحت عربی اور فارسی سے ایسے الفاظ چننے پڑے جن سے اردو زبان مانوس نہیں تھی۔ اسی کے ساتھ

انھیں ہندی الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے بیان سے خارج کرنا پڑا کیونکہ انھوں نے ٹ ڈ اور ڑ کو بھی نقطے والے حروف ہی کے ذیل میں ڈال دیا ۔

انشاء نے بے نقط نثر کا التزام کر کے اظہار مطلب کے سلسلے میں بہت سے نقصانات اٹھائے ہیں ۔ لیکن تھوڑا چھانا جائے تو اس نثر کی کچھ معنویت بھی ہمیں نظر آئے گی ۔ بے نقط نثر کے التزام میں بہت سے ایسے حروف خارج ہوگئے جو سخت ، درشت اور ثقیل آوازیں پیدا کرتے ہیں ۔ بعض ایسے حروف خارج ہوگئے جن سے سخت ، درشت اور ثقیل آوازیں تو شاید پیدا نہیں ہوتیں مگر جن سے جھنجھناہٹ پیدا ہوتی ہے ۔ مثلاً ش اور ن ۔ ان حروف کے خارج ہو جانے سے اس نوع کی مختلف اور متصادم آوازیں خارج ہو گئیں ۔ جو آوازیں بے نقط حروف کے واسطے سے باقی رہ جاتی ہیں ان میں ہمیں ایک ہم آہنگی نظر آتی ہے ۔ پس بے نقط نثر کی صورت میں ہمیں آوازوں کا ایک مربوط نظام مرتب ہوتا نظر آتا ہے جس میں ایک نرمی اور شیرینی کی کیفیت ہے ۔ اس بیان میں ایسے مقامات بھی جابجا آتے ہیں جہاں لفظوں سے معنی مرتب نہیں ہوتے ، آوازوں کی نت نئی شکلیں جلوہ گر ہوتی ہیں ۔ یہ پوری تحریر کومل سرل آوازوں کا ایک خوشگوار تانا بانا ہے ۔

سوال یہ ہے کہ اس سے انشاء کا مقصود کیا تھا ؟ کیا وہ کہانی لکھنا چاہتے تھے یا کومل سرل آوازوں کا ایک خوشگوار تانا بانا بننا چاہتے تھے ؟ اس کے جواب کے لیے ہمیں کہانی پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے ۔ جو کہانی یہاں بیان ہوئی ہے وہ

کہانی کے اعتبار سے اپنے اندر کوئی نیا پن ، کوئی ندرت نہیں رکھتی - ویسے بھی کہانی خاصی چھدری ہے - واقعات کے اینچ پیچ اور نشیب و فراز اس میں نہ ہونے کے برابر ہیں - جس چیز پر کہانی نویس زور دیتا نظر آتا ہے وہ حسیاتی تجربے ہیں - یوں لگتا ہے کہ انشاء کا مقصود پرانے کہانی اور داستان سنانے والوں کی طرح کوئی کہانی یا داستان سنانا نہیں ہے - مقصود حسیاتی تجربوں کا تخلیقی بیان ہے - اس کہانی کے نمائندہ کردار تین ہیں : ملک روس ، ملکہ گوہر آرا اور اس کی سہیلی گل رو - یہ تینوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے نظر آتے ہیں - ملک روس گوہر آرا پر عاشق ہے - گل رو سے ملاقات کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کے ذریعے گوہر آرا تک پہنچا جائے - مگر وہ گوہر آرا سے پہلے گل رو سے وصل حاصل کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا - اور گل رو گوہر آرا کو ملک روس کا پیغام دینے سے پہلے اس کے ساتھ مساس میں کوئی ہرج نہیں سمجھتی - سو تینوں کا باہمی رشتہ ایک جسمانی لذت سے بھرپور رشتہ ہے - انشاء کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ جسمانی لذت سے بھرپور اس تثلیث کو کس طرح بیان کیا جائے کہ تجربے کی حرارت برقرار رہے اور حسیاتی کیفیت زائل نہ ہو -

انشا نے مسئلے کا حل یہ نکالا کہ بے نقط نثر کا التزام کر کے ان آوازوں کو اپنے بیان سے خارج کر دیا جو اس مخصوص تجربے سے ہم آہنگ نہیں تھیں - بے نقط حروف کے واسطے سے جو آوازیں باقی رہ گئی ہیں وہ اس تجربے سے پورے طور پر ہم آہنگ نظر آتی ہیں - ان میں بھی بعض حروف ایسے ہیں جن کی تکرار زیادہ ہوئی ہے -

مثلاً ل اور گ - ان دو حروف کے استعمال میں سید انشاء عجب لذت لیتے نظر آتے ہیں - مثلاً :

ابلا کہلا رسسما گورا گورا واہ
سادا سادا گدگدا گول گدا کا آہ

ہم کو ملو ، دلو ، کھلو ، کھولو ، گرہ کو وا کرو
آؤ گھلو ، ہلو ، کھلو ، گود کو گدگدا کرو

''وہ لعل کا کھر ادھر اور الماس کا سہ درہ اور ہوا کا عالم اور کہرا گدکا اور کھل کھلاؤ اور ململاؤ ، اوہ اوہ اس آمد کا مال دراصل لگاؤ کا ڈال اور محرم کا ملا دلا کو کھرو اس کام کا گواہ حال -''

''اور لا کہو کہ گر اور رس کا ساگر اور اس راگ کا لڈو اور آگ کا الاؤ اور ہر ہر درگ مرگ سا ، مولا سا ، اور کوکل کا سارا اداسا اور ادھر کا ادھورا دلاسا اور وہ دھوم دھام کا رولا اور راولا کوسا . . . . .''

"کلا ولا کس سا لال لال ہو گھور گھور
گھورک گھورک کود کود لوم اور مکرا
اور مسکول کا گرما گرم گول گول گولا سا
سلام ....."

"اور وہ ماہ رو کا گلگلا سا دل اور اس دم کا
حال اور وہ گھا گہم اور وہ ملولا ....."

ان نرم آوازوں کے تسلسل سے ایک حسیاتی کیفیت پیدا ہوتی ہے - ان کے واسطے سے ہم چیزوں کو چھوتا ہوا محسوس کرتے ہیں - پورے بیان سے لمس کی ایک بھرپور کیفیت پیدا ہوتی ہے -

یوں دیکھیں تو پھر بے نقط نثر لکھنے کا یہ تجربہ محض قادرالکلامی کا مظاہرہ نہیں رہتا - نہ محض طبیعت کی اپج دکھانے کی کوشش نظر آتی ہے جیسا کہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے - بلکہ یوں نظر آتا ہے کہ انشاء جو حسیاتی تجربے بیان کرنا چاہتے تھے ان کے تقاضے کے تحت اظہار کی یہ راہ نکالی گئی ہے - اور اب ہم ان کی بے نقط نظم اور بے نقط نثر میں فرق کر سکتے ہیں - ان کی بے نقط نظم کسی تجربے کے تقاضے کے طور پر وجود میں نہیں آئی ہے - وہ بس قادرالکلامی کا مظاہرہ ہے اور لفظوں کے ساتھ ایک کھیل ہے مگر 'سلک گوہر' کی بے نقط نثر ایک تجربے کے بیان کی ضرورت کے تحت وجود میں

آئی ہے - اس لیے وہ اپنے معنی اور مفہوم رکھتی ہے - یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے یہ نثر لکھتے ہوئے اپنے دیوانِ بے نقط سے خاصا استفادہ کیا ہے - اسی کے ساتھ اس بیان کی کوتاہیاں بھی ہم پر واضح ہوتی ہیں - حسیاتی معاملات کے بیان کی حد تک یہ بیان مؤثر نظر آتا ہے لیکن اس مقام سے گزر کر وہ بے اثر بھی ہو جاتا ہے اور اظہار کی راہ میں رکاوٹ بھی بنتا ہے - پس اس کہانی میں قباحت یوں پیدا ہوئی ہے کہ انشاء نے پوری کہانی کو شروع سے آخر تک بے نقط نثر میں لکھنے کا التزام کیا ہے - خرابی بے نقط نثر لکھنے کے تجربے میں نہیں بلکہ اس میں ہے کہ کہانی میں پیش آنے والی ہر صورتِ حال کو اسی طرز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تجربہ آتنا بامعنی نہیں بن سکا جتنا بامعنی 'رانی کیتکی کی کہانی' کا نثری تجربہ ہے اور نہ اظہار اتنا بھرپور ہو سکا جتنا اُس کہانی میں ہے -

اس کہانی کا اب تک صرف ایک نسخہ دستیاب ہوا ہے - یہ نسخہ مولانا امتیاز علی عرشی نے ڈھونڈ کر نکالا اور مرتّب کر کے شایع کیا - میرے پیشِ نظر انھیں کا مرتّب کیا ہوا نسخہ تھا - انھوں نے جس طرح اس نثر پارے کو اوقاف سے آراستہ کیا ہے اور پیراگرافوں میں تقسیم کیا ہے اس سے مجھ ناچیز کو جابجا اختلاف کی جرأت کرنی پڑی ہے -

سید امتیاز علی تاج مرحوم کی ہمت افزائی پر مجھے ان کہانیوں کو مرتّب کرنے کی جرأت ہوئی - پھر یوں ہوا کہ بار بار پھریری لی اور بار بار ہمت نے جواب دیا - مگر گوہر نوشاہی

صاحب نے ہر بار میری ہمت بندھائی اور جس وقت کا میں نے ذکر کیا اس میں انہوں نے میری مدد کا وعدہ کیا۔ اس کے لیے مجھے ان کا ممنون ہونا چاہیے۔

۲ - اکتوبر ۷۰ع

انتظار حسین

رانی کیتکی کی کہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں اوس اپنے بنانے والے کے سامنے جس نے ہم سب کو بنایا اور بات کی بات میں وہ سب کر دیکھایا جس کا بھید کسی نے نہ پایا۔

آتیاں جاتیاں جو سانسیں ہیں
اوس کے بن دھیان میں یہ پھانسیں ہیں

یہ کل کا پتلا جو اپنے اوس کھلاڑی کی سدھ رکھے تو کھٹائی میں کیوں پڑے اور کڑوا کسیلا کیوں ہو؟ اوس پھل کی مٹھائی چکھے جو بڑوں سے بڑے اگلوں نے چکھی ہے۔ دیکھنے کو آنکھ دی اور سننے کو یہ کان دیے۔ ناک بھی اونچی سب میں کردی۔ مورتوں کو جی دان دیے۔ مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں جو اپنے کمہار کے کرتب کچھ بتا سکے۔ سچ ہے جو بنایا ہوا ہو سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے اور کیا کہے۔ یوں جس کا جی چاہے پڑا بکے۔ سر سے لگ پاؤں تک جتنے رونگٹے ہیں جو سب کے سب بول اٹھیں اور سراہا کریں اور

اتنے برسوں اسی دھیان میں رہیں جتنی ساری ندیوں میں ریت اور پھول پھلیاں کھیت میں ہیں تو بھی کچھ نہ ہو سکے -

اس سر جھکانے کے ساتھ ہی دن رات جپتا ہوں اوس داتا کے پہونچے ہوئے پیارے کو جس کے لیے یوں کہا ہے ''جو تو نہ ہوتا ، میں کچھ نہ بناتا،، اور اوس کا چچیرا بھائی جس کا بیاہ اوسی کے گھر ہوا اوس کی سرت مجھے لگی رہی ہے - میں پھولا اپنے آپ میں نہیں سماتا - اور جتنے اون کے لڑکے بالے ہیں اونھیں کے یہاں پرچاؤ ہے - اور کوئی ہو کچھ میرے جی کو نہیں بھاتا - مجھے اس گھرانے کے چھٹ کسی لے بھاگ ، اوچک چور ، ٹھگ سے کیا پڑی - جیتے مرتے اونھیں سبھوں کا آسرا اور اون کے گھرانے کا رکھتا ہوں تیسوں گھڑی -

ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا

ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھ آئی کہ کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی چھٹ اور کسی بول سے نپٹ نہ ملے ، تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے - باہر کی بولی اور گنواری کچھ اوس کے بیچ نہ ہو - اپنے ملنے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے ، پرانے دھرانے ، بوڑھے گھاگ ، یہ کھٹراگ لائے - سر ہلا کر ، منہ بنا کر ، ناک بھوں چڑھا کر ، آنکھیں پھرا کر لگے کہنے : ''یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی - ہندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکا پن نہ ٹھوس جائے ، جیسے بھلے لوگ اچھوں سے اچھے آپس میں بولتے چالتے ہیں

جوں کا توں وہی ڈول رہے اور چھانہہ کسی کی نہ پڑے ، یہ نہیں ہونے کا ۔ " میں نے اون کی ٹھنڈی سانس کی پھانس کا ٹھوکا کھا کر ، جھنجلا کر کہا : "میں کچھ ایسا انو کھا بولا نہیں جو رائی کو پربت کر دکھاؤں اور جھوٹ سچ بول کے اونگلیاں نچاؤں اور بے سری بے ٹھکانے کی اولجھی سلجھی باتیں سجھاؤں ۔ جو مجھ سے نہ ہو سکتا تو بھلا یہ بات منہ سے کیوں نکالتا ۔ جس ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا ۔"

اب اس کہانی کا کہنے والا یہاں آپ کو جتاتا ہے اور جیسا کچھ لوگ اوسے پکارتے ہیں کہہ سناتا ہے ۔ دہنا ہاتھ منہ پر پھیر کر آپ کو جتاتا ہوں ، جو میرے داتا نے چاہا تو وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کود پھاند اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں جو دیکھتے ہی آپ کے دھیان کا گھوڑا ، جو بجلی سے بھی بہت چنچل ، اچھلاہٹ میں ہرنوں کے روپ میں ہے ، اپنی چوکڑی بھول جائے ۔

گھوڑے پر اپنے چڑھ کے آتا ہوں میں
کرتب جو ہیں سو سب دیکھاتا ہوں میں
اوس چاہنے والے نے جو چاہا تو ابھی
کہتا جو کچھ ہوں کر دیکھاتا ہوں میں

اب آپ کان رکھ کے ، سنمکھ ہو کے ، ٹک ادھر دیکھیے ، کس ڈھب سے بڑھ چلتا ہوں اور اپنے ان پھول کی پنکھڑی جیسے ہونٹوں سے کس کس روپ سے پھول اوگلتا ہوں ۔

کہانی کا اوبھار اور بول چال کی دولھن کا سنگار

کسی دیس میں کسی راجہ کے گھر ایک بیٹا تھا ۔ اوسے اوس
کے ما باپ اور سب گھر کے لوگ کنور اودے بھان کر کے
پکارتے تھے ۔ سچ مچ اوس کے جوبن کی جوت میں سورج کی ایک
سوت آ ملی تھی ۔ اوس کا اچھا پن اور بھلا لگنا کچھ ایسا نہ تھا
جو کسی کے لکھنے اور کہنے میں آسکے ۔ پندرہ برس بھر کے
سولھے میں پانو رکھا تھا ۔ کچھ یوہیں سی اوس کی مسیں بھیگتی
چلی تھیں ۔ اکڑ مکڑ اوس میں بہت سی سما رہی تھی ۔ کسی کو
کچھ نہ سمجھتا تھا ۔ پر کسی بات کے سوچ کا گھر گھاٹ پایا نہ
تھا اور چاؤ کی ندی کا پاٹ اون نے دیکھا نہ تھا ۔ ایک دن ہریالی
دیکھنے کو اپنے گھوڑے پر چڑھ کے اٹکھیل پنے اور لڑکپن کے
ساتھ دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا ۔ اتنے میں ایک ہرنی جو اس کے
سامنے آئی تو اس کا جی لوٹ پوٹ ہوا ۔ اس ہرنی کے پیچھے سب
کو چھوڑ چھاڑ کر گھوڑا پھینکا ۔

بھلا کوئی گھوڑا اوس کو پا سکتا تھا ۔ جب سورج چھپ
گیا اور ہرنی آنکھوں سے اوجھل ہوئی ، تب تو یہ کنور اودے
بھان بھوکھا پیاسا اور اوداسا ، جماھئیاں اور انگڑائیاں لیتا ،
ہکا بکا ہو کے ، لگا آسرا ڈھونڈھنے ۔ اتنے میں کچھ امریاں دھیان
چڑھیں ۔ اودھر چل نکلا ، تو کیا دیکھتا ہے چالیس پچاس رنڈیاں ،
ایک سے ایک جوبن میں اگلی ، جھولا ڈالے ہوئے پڑی جھول رہی
ہیں اور ساون گاتیاں ہیں ۔ جو اونھوں نے اوس کو دیکھا "تو
کون ؟ تو کون؟" کی چنگھاڑ سی پڑ گئی ۔ اون سبھوں میں سے

ایک کے ساتھ اس کی آنکھ لڑ گئی - دوہا :

کوئی کہتی تھی یہ اوچکا ہے
کوئی کہتی تھی ایک پکا ہے

وہی جھولنے والی لال جوڑا پہنے ہوئے ، جس کو سب رانی کیتکی کہتے تھے ، اوس کے بھی جی میں اس کی چاہ نے گھر کیا - پر کہنے سننے کو اوس نے بہت ناہ نوہ کی - ''اس لگ چلنے کو بھلا کیا کہتے ہیں - ہک نہ دھک جو تم جھٹ سے ٹپک پڑے ، یہ نہ جانا جو یہاں رنڈیاں اپنی جھول رہی ہیں - اجی تم جو اس روپ کے ساتھ بے دھڑک چلے آئے ہو ، ٹھنڈی ٹھنڈی چھانہ چلے جاؤ -''

تب اونھوں نے مسوس کے ، ملولا کھا کے کہا کہ ''اتنی رکھائیاں نہ دیجیے - میں سارے دن کا تھکا ہوا ایک پیڑ کی چھانہ میں اوس کا بچاؤ کرکے پڑ رہوں گا - بڑے تڑکے دھوندلکے اٹھ کر جدھر کو منہ پڑے گا چلا جاؤں گا - کسی کا لیتا دیتا نہیں - ایک ہرنی کے پیچھے سب لوگوں کو چھوڑ کر گھوڑا پھینکا تھا - جب تلک اوجالا رہا اوسی کے دھیان میں تھا ، جب اندھیرا چھا گیا اور جی بہت گھبرا گیا ، ان امریوں کا آسرا ڈھونڈھ کر یہاں چلا آیا ہوں - کچھ روک ٹوک تو نہ تھی جو ماتھا ٹھنک جاتا اور رک رہتا - سر اوٹھائے ہانپتا ہوا چلا آیا - کیا جانتا تھا پدمنیاں یہاں پڑی جھولتی پینگیں چڑھا رہی ہیں - پر یوں ہی بدی تھی ، برسوں میں بھی جھولا کروں گا -''

یہ بات سن کر جو لال جوڑے والی سب کی سردھری تھی ،

اوس نے کہا : ''ہاں جی بولیاں ٹھولیاں نہ مارو ۔ ان کو کہہ دو جہاں جی چاہے اپنے پڑ رہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں سو انھیں پہونچا دو ۔ گھر آئے ہونے کو کسی نے آج تک مار نہیں ڈالا ۔ ان کے منہ کا ڈول ، گال تمتمانے اور ہونٹھ پپڑانے ، اور گھوڑے کا ہانپنا ، اور جی کا کانپنا ، اور گھبراہٹ ، اور تھرتھراہٹ ، اور ٹھنڈی سانسیں بھرنا ، اور نڈھال ہو کے گرے پڑنا آون کو سچا کرتا ہے ۔ بات بنائی اور سچوٹی کی کوئی چھپتی ہے ۔ پر ہمارے اور آون کے بیچ میں کچھ اوٹ سی کپڑے لتے کی کردو ۔''

اتنا آسرا پا کے سب سے پرے کونے میں جو پانچ سات چھوٹے چھوٹے پودے سے تھے آون کی چھانھ میں کنور اودے بھان نے اپنا بچھونا کیا ۔ سرہانے ہاتھ دھر کے چاہتا تھا سو رہے پر نیند کوئی چاہت کی لگاوٹ میں آتی تھی ۔ پڑا پڑا اپنے جی سے باتیں کر رہا تھا ۔ اتنے میں کیا ہوتا ہے جو رات سائیں سائیں بولنے لگتی ہے اور ساتھ والیاں سب سو رہتی ہیں ۔ رانی کیتکی اپنی سہیلی مدن بان کو جگا کر یوں کہتی ہے : ''اری تو نے کچھ سنا ہے ۔ میرا جی آوس پر آ گیا اور کسی ڈول سے نہیں تھم سکتا ۔ تو سب میرے بھیدوں کو جانتی ہے ، اب جو ہونی ہو سو ہو ، سر رہتا رہے جاتا جائے ، میں اوس کے پاس جاتی ہوں ۔ تو میرے ساتھ چل ، پر تیرے پانو پڑتی ہوں کوئی سننے نہ پاوے ۔ اری یہ میرا جوڑا میرے اور اس کے بنانے والے نے ملا دیا ۔ میں اسی لیے ان امریوں میں آئی تھی ۔''

کیتکی مدن بان کا ہاتھ پکڑے وہاں آن پہونچتی ہے جہاں

کنور اودے بھان لیٹے ہوئے کچھ سوچ میں پڑے پڑے بڑ بڑا رہے تھے۔ مدن بان آگے بڑھ کے کہنے لگی: ''تمھیں اکیلا جان کے رانی آپ آئی ہیں۔''

کنور اودے بھان یہ سن کے اوٹھ بیٹھے اور یہ کہا: ''کیوں نہ ہو، جی سے جی کو ملاپ ہے۔''

کنور اور رانی دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے، پر مدن بان دونوں کے بدن گدگدا رہی تھی۔ ہوتے ہوتے اپنے اپنے پتے سب نے کھولے۔ رانی کا پتا یہ کھلا: ''راجہ جگت پرکاس کی بیٹی ہیں اور ان کی ما رانی کام لتا کہلاتی ہیں۔ ان کو ما باپ نے ان کے کہہ دیا ہے، ایک مہینے پیچھے امریوں میں جا کے جھول آیا کرو۔ آج وہی دن تھا، سو تم سے مُٹھ بھیڑ ہو گئی۔ بہت مہاراجوں کے کنوروں کی باتیں آئیاں، پر کسی پر ان کا دھیان نہ چڑھا۔ تمھارے دھن بھاگ جو تمھارے پاس سب سے چھپ کے، میں جو ان کی لڑکپن کی گوئیاں ہوں، مجھے ساتھ اپنے لے کے آئیں ہیں۔ اب تم اپنی کہانی کہو کہ تم کس دیس کے کون ہو۔''

انھوں نے کہا: ''میرا باپ راجہ سورج بھان اور ما رانی لچھمی باس ہے۔ آپس میں جو گٹھ جوڑا ہو جائے تو انوکھی، اچرج اور اچنبھے کی بات نہیں۔ یوہیں آگے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ جیسا منہ ویسی تھپڑ۔ جوڑ توڑ ٹٹول لیتے ہیں۔ دونوں مہاراجوں کو یہ چت چاہی بات اچھی لگے گی۔ پر ہم تم دونو کے جی کا گٹھ جوڑا چاہیے۔''

اس میں مدن بان بول اٹھی : ''سو تو ہوا ، اب اپنی اپنی انگوٹھیاں ہیر پھیر کر لو اور آپس میں لکھوٹی بھی لکھ دو ، پھر کچھ ہچر مچر نہ رہے ۔''

کنور اودے بھان نے اپنی انگوٹھی رانی کیتکی کو پہنادی اور رانی کیتکی نے انگوٹھی کنور کی انگلی میں ڈال دی اور ایک دھیمی سی چنکی بھی لے لی ۔ اس میں مدن بان بول اوٹھی : ''جو سچ پونچھو تو اتنی بھی بہت ہوئی ۔ اتنا بڑھ چلنا اچھا نہیں ۔ میرے سر چوٹ ہے ۔ اب اوٹھ چلو اور اون کو سونے دو اور روئیں پڑے رونے دو ۔''

بات چیت تو ٹھیک ٹھاک ہو چکی تھی ۔ پچھلے پہر سے رانی تو اپنی سہیلیوں کو لیے کے جدھر سے آئی تھی ادھر چلی گئی اور کنور اودے بھان اپنے گھوڑے کی پیٹھ لگ کر ، اپنے لوگوں سے مل کر اپنے گھر پہونچے ۔

کنور جی کا انوپ روپ کیا کہوں ، کچھ کہنے میں نہیں آتا ۔ کھانا نہ پینا نہ لگ چلنا ، کسی سے کچھ کہنا نہ سننا ، جس دھیان میں تھے اوسی میں گھوٹھے رہنا اور گھڑی گھڑی کچھ کچھ سوچ سوچ سر دھننا ۔ ہوتے ہوتے اس بات کا لوگوں میں چرچا پھیل گیا ۔ کسی کسی نے مہاراج اور مہارانی سے بھی کہا : ''کچھ دال میں کالا ہے ۔ وہ کنور اودے بھان ، جن سے تمھارے گھر کا اوجالا ہے ، ان دنوں کچھ اس کے برے تیور ، بے ڈول آنکھیں دیکھائی دیتی ہیں ، گھر سے باہر پانو نہیں دھرتا ۔

گھر والیاں جو کسی ڈول سے بہلاتیاں ہیں تو اور کچھ نہیں کرتا ، ایک اونچی سانس لیتا ہے - بہت کسی نے چھیڑا تو چھپر کھٹ پر جاکے ، اپنا مونہ لپیٹ کے آٹھ آٹھ آنسو پڑا روتا ہے -''

یہ سنتے ہی ما باپ کنور کے پاس دوڑے آئے - گلے لگایا ، مونہ چوما ، پانو پر بیٹے کے گر پڑے ، ہاتھ جوڑے اور کہا : ''جی کی بات ہے سو کہتے کیوں نہیں - کیا دکھ پڑا جو پڑے پڑے کراہتے ہو ؟ راج پاٹ جس کو چاہو دے ڈالو - کہو تو ، تم کیا چاہتے ہو - تمھارا جی کیوں نہیں لگتا ؟ بھلا وہ ہے کیا جو ہو نہیں سکتا ؟ مونہ سے بولو ، جی کھولو - جو کہنے میں کچھ سوچتے ہو تو ابھی لکھ بھیجو - جو کچھ لکھو گے ، جوں کی توں وہی کر تمھیں دے جاویں گے - جو تم کہو کنوئیں میں گر پڑو تو ہم دونو ابھی گر پڑتے ہیں - جو کہو سر کاٹ ڈالو تو ابھی سر کاٹ ڈالتے ہیں -''

کنور اودے بھان ، وہ جو بولتے بھی نہ تھے ، اونھوں نے لکھ بھیجنے کا آسرا پا کے اتنا بولے : ''اچھا آپ سدھاریے ، میں لکھ بھیجتا ہوں - پر میرے اوس لکھ بھیجنے کو میرے مونہ پر کسی ڈھب سے نہ لانا ، نہیں تو میں شرماؤں گا - اسی لیے مکھ بات ہو کے میں نے کچھ نہ کہا -''

اور یہ لکھ بھیجا : ''اب جو میرا جی ناک میں آ گیا اور کسی ڈھب نہ رہا گیا اور آپ نے مجھے سو سو روپ سے کھولا اور بہت سا ٹٹولا ، تب تو لاج چھوڑ کے ، ہاتھ جوڑ کے ، مونہ کو پھوڑ کے ،

گھگیا کے یہ لکھتا ہوں : جگ میں چاہ کے ہاتھوں کسی کو سکھ نہیں ہے ، بھلا وہ کون ہے جس کو دکھ نہیں ۔ وہ اس دن جو میں ہریالی دیکھنے کو گیا تھا ، وہاں جو میرے سامنے ایک ہرنی کنوتیاں اوٹھائے ہوئے ہولی تھی، اس کے پیچھے میں نے گھوڑا بگ چھٹ پھینکا ۔ جب تک اوجالا رہا اسی کے دھن میں چلا گیا ۔ جب اندھیرا ہوگیا اور سورج ڈوبا تب جی میرا بہت اوداس ہوا ۔ امریاں تاک کے میں اون میں گیا تو اون امریوں کا پتّا پتّا میرے جی کا گاہک ہوا ، وہاں کا یہ سپھل ہے ۔ کچھ رنڈیاں جھولا جھول رہیں تھیں ، اون سب کی سردھری کوئی رانی کیتکی مہاراجہ جگت پرکاس کی بیٹی ہیں ، اونھوں نے یہ انگوٹھی اپنی مجھے دی ، اور میری انگوٹھی اونھوں نے لی ، اور لکھاوٹ بھی لکھ دی ۔ سو یہ انگوٹھی اون کی لکھاوٹ سمیت میرے لکھے ہوئے کے ساتھ پہونچتی ہے ۔ آپ دیکھ لیجیے اور جس میں بیٹے کا جی رہ جائے وہ کیجیے ۔''

مہاراج اور مہارانی اوس بیٹے کے لکھے ہوئے پر سونے کے پانی سے یوں لکھتے ہیں :

''ہم دونوں نے اوس انگوٹھی اور لکھاوٹ کو اپنے آنکھوں سے ملا ۔ اب اپنے جی میں کچھ کڑھو مت ۔ جو رانی کیتکی کے ما باپ تمھاری بات مانتے ہیں تو ہمارے سمدھی اور سمدھن ہیں ۔ دونو راج ایک جاگہ ہو جائیں گے اور جو کچھ ناہ نوہ کی ٹھیرے گی تو جس ڈول سے بن آوے گا ڈھال تلوار کے بل تمھاری دولھن ہم تم سے ملاویں گے ۔ آج سے اوداس مت رہا کرو ۔ کھیلو کودو ،

بولو چالو ، آنندیں کرو - ہم اچھی گھڑی ُسبھ مہورت سوچ کے تمہارے سسرال میں کسی باہمن کو بھیجتے ہیں ، جو بات چیت چاہی ٹھیک کر لادے -''

باہمن جو ُسبھ گھڑی دیکھ کر بڑ بڑی سے گیا تھا اوس پر بڑی کڑی پڑی - سنتے ہی رانی کیتکی کے باپ نے کہا : ''اون کے ہمارے ناتا نہیں ہونے کا - اون کے باپ دادے ہمارے باپ دادوں کے آگے سدا ہاتھ جوڑ کے باتیں کرتے تھے ، اور جو ٹک تیوری چڑھی دیکھتے تھے تو بہت ڈرتے تھے - کیا ہوا جو اب وے بڑھ گئے اور اونچے پر چڑھ گئے - جس کے ماتھے ہم بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے ٹیکا لگاویں وہ مہاراجوں کا راجہ ہو جائے ، کس کا مونھ جو یہ بات ہمارے مونھ پر لائے -''

باہمن نے جل بھن کے کہا : ''اگلے بھی اسی بچار میں تھے اور بھری سبھا میں یہی کہتے تھے ، ہم میں اون میں کچھ گوت کا تو میل نہیں ہے ، پر کنور کی ہٹ سے کچھ ہماری نہیں چلتی ، نہیں تو ایسی اوچھی بات کب ہمارے مونھ سے نکلتی -''

یہ سنتے ہی مہاراج نے باہمن کے سر پر پھولوں کی چھڑی پھینک ماری اور کہا : ''جو باہمن کے ہتیا کا دھڑکا نہ ہوتا تو تجھ کو ابھی چکی میں دلوا ڈالتا - اس کو لے جاؤ اور ایک اندھیری کوٹھری میں موند رکھو -''

جو اس باہمن پر بیتی سو سب کنور اودے بھان کے ما باپ

نے سنتے ہی لڑن کی ٹھان ، اپنے ٹھاٹھ باندھ کر ، دل بادل جیسے گھر آتے ہیں ، چڑھ آیا ۔

جب دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہونے لگی ، رانی کیتکی ساون بھادوں کے روپ سے رونے لگی ۔ اور دونو کے جی پر یہ آ گئی ، یہ کیسی چاہت ہے جس میں لوہو برسنے لگا اور اچھی باتوں کو جی ترسنے لگا ۔ کنور نے چپکے سے یہ لکھ بھیجا : ''اب میرا کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے ۔ دونو مہاراجوں کو آپس میں لڑنے دو ۔ کسی ڈول سے جو ہو سکے تو تم مجھے اپنے پاس بلالو ۔ ہم تم دونو مل کے کسی اور دیس کو نکل چلیں ، جو ہونی ہو سو ہو ، سر رہتا رہے جاتا جائے ۔''

ایک مالن ، جس کو پھول کلی کر سب پکارتے تھے ، اون نے اوس کنور کی چٹھی کسی پھول کی پنکھڑی میں لپیٹ سپیٹ کے رانی کیتکی تک پہونچا دی ۔ رانی نے اوس چٹھی سے آنکھیں اپنی ملیں اور مالن کو ایک تھال بھر کے موتی دیے ، اور چٹھی کی پیٹھ پر اپنے مونھ کی پیک سے یہ لکھا : ''اے میرے جی کے گاہک ! جو تو مجھے بوٹی بوٹی کر چیل کوے کو دے ڈالے تو بھی میری آنکھیں کو چین ، کلیجے میں سکھ ہووے ۔ پر یہ بات بھاگ چلنے کی اچھی نہیں ۔ ڈول سے بیٹا بیٹی کے باہر ہے ۔ جی تجھ سے پیارا نہیں ، ایک تو کیا جو کڑوڑ جی جاتے رہیں ، پر بھاگنے کی کوئی بات ہمیں رچتی نہیں ۔''

یہ چٹھی پیک بھری جو کنور تک جا پہونچتی ہے ، وہ کئی

ایک سونے کے ہیرے موتی پکھراج کے کھچاکھچ بھرے ہوئے تھال نچھاور کرکے لٹا دیتا ہے ، اور چٹھی سے اوس کی بیکلی چوگنی پچگنی ہو جاتی ہے ، اور اوس چٹھی کو اپنے گورے ڈنڈ پر باندھ لیتا ہے -

آنا جوگی مہندر گر کا کیلاس پہاڑ سے اور ہرن ہرنی کر ڈالنا کنور اودے بھان اور اوس کے ما باپ کا

جگت پرکاس اپنے گرو کو ، جو کیلاس پہاڑ پر رہتا تھا ، یوں لکھ بھیجتا ہے : ''کچھ ہماری سہائے کیجیے ، مہا کٹھن ہم بپتا ماروں کو پڑی ہے - راجہ سورج بھان کو اب یہاں تک باؤ بھک نے لیا ہے جو اونھوں نے ہم سے مہاراجوں سے ناتے کا ڈول کیا ہے -''

کیلاس پہاڑ اکدال چاندی کا ہے ، اوس پر راجہ جگت پرکاس کا گرو ، جس کو اندر لوک کے لوگ سب مہندر گر کہتے تھے ، دھیان گیان میں کوئی نوے لاکھ اتیتوں کے ساتھ ٹھاکر کے بھجن میں دن رات رہا کرتا تھا - سونا روپا تانبے رانگے کا بنانا تو کیا ، اور گٹکا مونھ میں لے کے اڑنا ورے رہے ، اوس کی اور اور باتیں اس اس ڈھب کی دھیان میں تھیں جو کچھ کہنے سننے سے باہر ہیں - مینھ سونے روپے کا برسا دینا ، اور جس روپ میں چاہنا ہو جانا ، سب کچھ اس کے آگے ایک کھیل تھا - اور گانے میں مہا دیو جی چھٹ سب اوس کے آگے کان پکڑتے تھے - سرسوتی ،

جس کو بندو کہتے ہیں آدہ شکتی ، اون نے بھی اوسی سے کچھ گنگنانا سیکھا تھا ۔ اوس کے سامنے چھ راگ چھتیس راگنیاں آٹھ پہر روپ بندھوؤں کا سا دھرے ہوئے اوس کی سیوا میں ہاتھ جوڑے کھڑی رہتی تھیں ۔ وہاں اتیتوں کو یہ کہہ کر پکارتے تھے : بھیرونگر ، بھسبھاس گر ، بنڈولگر ، میکھ ناتھ ، کدار ناتھ ، دیپک داس ، جوتی سروپ ، سارنگ روپ ۔ اور اتیتنیں اس ڈھب سے کہلاتی تھیں : گوجری ، توڑی ، اساوری ، گوری ، مالسری ، بلاول ۔ جب چاہتا تھا ادھر میں سنگاسن پر بیٹھ اوڑاتے پھرتا تھا ۔ اور نوے لاکھ اتیت گٹکے اپنے اپنے مونھ لیے ہوئے گیروے بستر پہنے ، جٹا بکھیرے اوس کے ساتھ ہوتے تھے ۔

جس گھڑی راجہ جگت پرکاس کی چٹھی ایک بھگو لے پہنچتا ہے ، جوگی مہندرگر ایک چنگھاڑ مار کر دل بادلوں کو تہلکا دیتا ہے ۔ باگھمبر پر بیٹھ ، بھبوت اپنے مونھ کو مل ، کچھ کچھ پڑھنت کرتا ہوا ، باؤ کے گھوڑے کی پیٹھ پر لاگا ۔ اور سب اتیت مرگ چھالوں پر بیٹھے ہوئے گٹکے مونھ میں لیے ہوئے بول اوٹھے : ”گورکھ جاگا ۔“

ایک آنکھ کی جھپک میں وہاں آن پہونچتا ہے جہاں دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہو رہی تھی ۔ پہلے تو ایک کالی آندھی آئی ، پھر اولے برسے ، پھر ایک بڑی آندھی آئی ۔ کسی کو اپنی سدھ بدھ نہ رہی ۔ ہاتھی گھوڑے اور جتنے لوگ اور بھیڑ بھاڑ راجہ سورج بھان کی تھی ، کچھ نہ سمجھا گیا کدھر گئی ، اونھیں کون اوٹھا لے گیا ۔ اور راجہ جگت پرکاس کے لوگوں پر اور رانی کیتکی جی

کے لوگوں پر کیوڑے کی بوندوں کی ننھی پُھار سی پڑنے لگی -

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو گرو جی نے اپنے اتیتوں سے کہہ دیا : ”اودے بھان ، سورج بھان ، لچھمی باس ان تینوں کو ہرن ہرنی بنا کے کسی بن میں چھوڑ دو ، اور جو اون کے ساتھی ہوں اون سبھوں کو تور پھوڑ دو -“ جیسا کچھ گروجی نے کہا جھٹ پٹ وہی کیا -

بپت کا مارا کنور اودے بھان جی اور اوس کا باپ مہاراجہ سورج بھان اور اوس کی ما مہارانی لچھمی باس ہرن ہرنی بن ، بن کی ہری ہری گھاس کئی برس تک چگتے رہے - اور اوس بھیڑ بھڑکے کا تو کچھ تھل بیڑا نہ ملا جو کدھر گئی اور کہاں تھی -

یہاں کی یہاں ہی رہنے دو - آگے سنو اب رانی کیتکی کی بات اور مہاراجہ جگت پرکاس کی سہتی - اون کے گھر کا گھر گرو جی کے پانو پر گرا اور سب نے سر جھکا کر کہا : ”مہاراج ! یہ آپ نے بڑا کام کیا ، ہم سب کو رکھ لیا - جو آپ آج آ نہ پہونچتے تو کیا رہا تھا - سب نے مر مٹنے کی ٹھان لی تھی - ان پاپیوں سے کچھ نہ چلے گی ، یہ جان لی تھی - ہم سب کو اتیت بنا کے اپنے ساتھ لیجیے - راج ہم سے نہیں تھمتا - سورج بھان کے ہاتھ سے آپ نے بچایا ، اب کوئی اون کا چچا چندر بھان چڑھ آوے گا تو کیونکر بچنا ہوگا - اپنے آپ میں تو سکت نہیں - پھر ایسے راج کا پھٹے منہ ، ہم کہاں تک آپ کو ستایا کریں گے -“

یہ سن کر جوگی مہندرگر نے کہا : ”تم سب ہمارے بیٹا بیٹی ہو ۔ آنندیں کرو ، دندناؤ ، سکھ چین سے رہو ۔ ایسا وہ کون ہے جو تمھیں آنکھ بھر اور ڈھب سے دیکھ سکے ۔ یہ باگھمبر اور یہ بھبوت ہم نے تمھیں دیا ۔ آگے جو کچھ ایسی گاڑ پڑے تو اس باگھمبر میں سے ایک رونگٹا توڑ کر آگ دھر کے پھونک دیجو ۔ یہ رونگٹا پھونکنے نہ پاوے گا جو ہم آن پہنچیں گے ۔ رہا بھبوت ، سو اس لیے ہے جو کوئی چاہے جب اوسے انجن کرے وہ سب کچھ دیکھ لے اور اوسے کوئی نہ دیکھے ، جو چاہے کر لے ۔“

گرو مہندرگر ، جن کے پانو پوجیے اور دھن مہاراج کہیے ، اون سے تو کچھ چھپاؤ نہیں ، مہاراجہ جگت پرکاس اون کو مورچھل کرتے ہوئے رانیوں کے پاس لے گئے ۔ سونے روپے کے پھول ، ہیرے موتی گود بھر بھر سب نے نچھاور کیے اور ماتھے رگڑے ۔ اونھوں نے سب کی پیٹھیں ٹھوکیں ۔ رانی کیتکی نے بھی ڈنڈوت کی ، پر جی ہی جی میں بہت سی گرو جی کو گالیاں دیں ۔

گرو جی سات دن سات راتیں یہاں رہ کے راجہ جگت پرکاس کو سنگاسن میں بٹھا کر اپنے اوسی باگھمبر پر اوسی ڈول سے کیلاس پہاڑ پر آ دھمکے ۔

راجہ جگت پرکاس اپنے اگلے ڈھب سے راج کرنے لگے ۔

رانی کیتکی کا مدن بان کے آگے رونا
پچھلی باتوں کا دھیان کرکے ہاتھ جی سے دھونا
اپنی بولی کی دھن میں :

رانی کو بہت سی بے کلی تھی
کب سوچتی وہ بری بھلی تھی

چپکے چپکے کراہتی تھی
جینا اپنا نہ چاہتی تھی

کہتی تھی کبھی اری مدن بان
ہے آٹھ پہر مجھے وہی دھیان

یاں پیاس کسے بھلا کسے بھوکھ
دیکھوں ہوں وہی ہرے ہرے روکھ

ٹپکے کا ڈر ہے اب یہ کبھی
چاہت کا گھر ہے اب یہ کبھی

امریوں میں ان کا وہ اترنا
اور رات کا سائیں سائیں کرنا

اور چپکے سے اٹھ کے میرا جانا
اور تیرا وہ چاہ کا جتانا

ان کی وہ اتار انگوٹھی لینی
اور اپنی انگوٹھی اون کو دینی

آنکھوں میں میری وہ پھر رہی ہے
جی کا جو روپ تھا وہی ہے

کیوں کر انھیں بھولوں، کیا کروں میں
ماں باپ سے کب تلک ڈروں میں

اب میں نے سنا ہے اے مدن بان
بن بن کے ہرن ہوئے اودے بھان

چرتے ہوں گے ہری ہری دوب
کچھ تو بھی پسیج، سوچ میں ڈوب

میں اپنی گئی ہوں چوکڑی بھول
مت مجھ کو سونگھا یہ ڈہڈہے پھول

پھولوں کو اٹھا کے یاں سے لے جا
سو ٹکڑے ہوا مرا کلیجا

بکھرے جی کو نہ کر اکٹھا
ایک گھاس کا لا کے رکھ دے گٹھا

ہریالی اسی کی دیکھ لوں میں
کچھ اور تو تجھ کو کیا کہوں میں

ان آنکھوں میں ہے بھڑک ہرن کی
پلکیں ہوئیں جیسی گھاس بن کی

جب دیکھیے ڈبڈبا رہی ہیں
اوسیں آنسو کی چھا رہی ہیں

یہ بات جو جی میں گڑ گئی ہے
ایک اوس سی مجھ پہ پڑ گئی ہے

اسی ڈول سے جب اکیلی ہوتی تھی تب مدن بان کے ساتھ ایسے ہی موتی پروتی تھی -

---

بھبوت مانگنا رانی کیتکی کا اپنی ما رانی کام لتا سے آنکھ مچولی کھیلنے کے لیے ، اور روٹھ رہنا - اور راجہ جگت پرکاس کا بلانا ، اور پیار سے کچھ کچھ کہنا ، اور وہ بھبوت دینا -

ایک رات رانی کیتکی نے اپنی ما کام لتا سے بھلاوے میں ڈال کے یہ پوچھا : ''گرو جی گسائیں مہندرگر نے جو بھبوت باپ کو دیا تھا وہ کہاں رکھا ہوا ہے ، اور اس سے کیا ہوتا ہے ؟''

اس کی ما نے کہا : ''میں تیری واری ، تو کیوں پوچھتی ہے ؟''

رانی کیتکی کہنے لگی : ''آنکھ مچولی کھیلنے کے لیے چاہتی ہوں - جب اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلوں اور چور بنوں تو کوئی مجھ کو پکڑ نہ سکے -''

رانی کام لتا نے کہا : ''وہ کھیلنے کے لیے نہیں ہے - ایسے لٹکے کسی برے دن کے سمھال اپنے کو ڈال رکھتے ہیں - کیا

جانے کوئی گھڑی کیسی ہے، کیسی نہیں۔''

رانی کیتکی اپنی ما کی اس بات سے اپنا مونہہ تھتھا کے اوٹھ گئی، اور دن بھر بن کھائے پیے پڑی رہی۔ مہاراج نے جو بلایا تو کہا: ''مجھے رچ نہیں۔''

تب رانی کام لتا بول اٹھیں: ''اجی کچھ تم نے سنا بھی۔ بیٹی تمھاری آنکھ مچولی کھیلنے کے لیے وہ بھبوت گرو جی کا دیا ہوا مانگتی تھی۔ میں نے نہ دیا اور کہا، لڑکی یہ لڑکپن کی باتیں اچھی نہیں۔ کسی برے دن کے لیے گرو جی دے گئے ہیں۔ اسی پر مجھ سے روٹھی ہے۔ بہتیرا بہلاتی پھسلاتی ہوں، مانتی نہیں۔''

مہاراج نے کہا: ''بھبوت تو کیا، مجھے تو اپنا جی بھی اس سے پیارا نہیں۔ اوس کی ایک گھڑی بھر کے بہل جانے پر ایک جی تو کیا جو لاکھ جی ہوں تو دے ڈالیے۔''

رانی کیتکی کو ڈبیا میں سے تھوڑا سا بھبوت دیا۔ کئی دن تلک آنکھ مچول اپنے ما باپ کے سامنے سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی، سب کو ہنساتی رہتی، جو سو سو تھال موتیوں کے نچھاور ہوا کیے۔ کیا کہوں؟ ایک چہل تھی جو کہیے تو کروڑوں پوتھیوں میں جیوں کے تیوں نہ آ سکے۔

رانی کیتکی کا چاہت سے بیکل ہوا پھرنا اور مدن بان کا ساتھ دینے سے نہیں کرنا

ایک رات رانی کیتکی اسی دھیان میں اپنی مدن بان سے کہہ

آٹھی : ''اب میں نگوڑی لاج سے کٹ گرتی ہوں، تو میرا ساتھ دے ۔''

مدن بان نے کہا : ''کیوں کر ؟''

رانی کیتکی نے وہ بھبوت کا لینا اوسے جتایا اور یہ سنایا : ''سب یہ آنکھ مچولی کی چہلیں میں نے اسی دن کے لیے کر رکھیں تھیں ۔''

مدن بان کہنے لگی : ''میرا کلیجا تھرتھرانے لگا ۔ اے یہ مانا تم اپنی آنکھوں میں اس بھبوت کا انجن کر لوگی اور میرے بھی لگا دوگی تو ہمیں تمھیں کوئی نہ دیکھے گا اور ہم تم سب کو دیکھیں گے ۔ پر ایسے ہم کہاں سے جی چلے ہیں جو بن لیے ساتھ ، جو بن ساتھ ، بن بن بھٹکا کریں اور ہرنوں کے سینگوں میں دونوں ہاتھ ڈال کے لٹکا کریں ۔ اور جس کے لیے یہ سب کچھ ہے سو وہ کہاں ہے ؟ اور ہووے تو کیا جانے جو یہ رانی کیتکی جی اور یہ مدن بان نگوڑی نچی کھسوٹی اون کی سہیلی ہے ۔ چولھے اور بھاڑ میں جائے یہ چاہت جس کے لیے ما باپ ، راج پاٹ ، سکھ نیند ، لاج کو چھوڑ کر ندی کے کچھاڑوں میں پھرنا پڑے ۔ سو بھی بے ڈول ۔ جو وہ اپنے روپ میں ہوتے تو بھلا تھوڑا بہت کچھ آسرا تھا ۔ نہ جی یہ ہم سے نہ ہو سکے گا ۔ مہاراج جگت پرکاس اور مہارانی کام لتا کا ہم جان بوجھ کر گھر اجاڑیں اور بھکا کے اون کی بیٹی ، جو اکلوتی لاڈلی ہے ، اوس کو لے جاویں ، اور جہاں تہاں اوسے بھٹکا بناس پتی کھلاویں ، اور اپنے چونڈے کو ہلاویں ۔ اے جی ، اوس دن تمھیں یہ بوجھ نہ آئی تھی جب

تمھارے اور اوس کے ما باپ میں لڑائی ہو رہی تھی ، اوس نے اس
مالن کے ہاتھ تمھیں لکھ بھیجا تھا بھاگ چلیں ۔ تب تو اپنے مونھ
کی پیک سے اوس کی چٹھی کی پیٹھ پر جو لکھا تھا سو کیا بھول گئی ۔
تب تو وہ تاؤ بھاؤ دیکھایا تھا ۔ اب جو وہ کنور اودے بھان
اور ان کے ما باپ تینوں جنے ، بن بن کے ہرن ہرنی بنے ہوئے کیا
جانیے کدھر ہوں گے کہ ان کے دھیان پر وہ کر بیٹھیے جو کسی
نے تمھارے گھرانے بھر میں نہیں کی ۔ اس بات پر ماٹی ڈال دو ،
نہیں تو پچھتاؤگی اور اپنا کیا پاؤگی ۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکے گا ۔
تمھاری کچھ اچھی بات ہوتی ہو تو جیتے جی میرے مونھ سے نہ
نکلتی ۔ پر یہ بات میرے پیٹ میں نہیں پچ سکتی ۔ تم ابھی الھڑ ہو ،
تم نے کچھ دیکھا نہیں ۔ جو اسی بات پر تمھیں ڈھلتا دیکھوں گی
تو تمھارے ما باپ سے کہہ کر وہ بھبوت ، جو موا نگوڑا بھوت ،
مچھندر کا پوت ، ابدھوت دے گیا ہے ہاتھ مڑوڑوا کے چھنوا
لوں گی ۔"

رانی کیتکی نے یہ رکھائیاں مدن بان کی سن کر ہنس کے
ٹال دیا ، اور کہا : "جس کا جی ہاتھ میں نہ ہو وہ ایسی ایسی
لاکھوں سوچتی ہے ۔ پر کہنے اور کرنے میں بہت سا پھیر ہے ۔
یہ بھلا کوئی اندھیر ہے جو ما باپ کو چھوڑ ہرنوں کے لیے پڑی
دوڑتی پھروں ۔ پر اری تو بڑی باولی چڑیا ہے جو تو نے یہ بات
ٹھیک ٹھاک کر جان لی اور مجھ سے لڑنے لگی ۔"

رانی کیتکی کا بھبوت آنکھوں میں لگا کر گھر سے باہر نکل جانا ، اور سب چھوٹے بڑوں کا تاملانا

دس پندرہ دن پیچھے ایک رات رانی کیتکی بن کہے مدن بان کے وہ بھبوت آنکھوں میں لگا کر گھر سے باہر نکل گئی۔ اور کچھ کہنے میں نہیں آتا جو ما باپ پر ہوئی ۔ یہ بات ٹھہرا دی ، گرو جی نے کچھ سمجھ کر رانی کیتکی کو اپنے پاس بلا لیا ہوگا ۔

مہاراجہ جگت پرکاس اور مہارانی کام لتا راج پاٹ سب کچھ اس بروگ میں چھوڑ چھاڑ ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے اور کسی کو اپنے لوگوں میں سے راج تھامنے کے لیے چھوڑ آئے ۔ تب مدن بان نے وہ سب باتیں کھولیاں ۔ رانی کیتکی کے ما باپ نے یہ کہا : ''اری مدن بان ، جو تو بھی اوس کے ساتھ ہوتی تو کچھ ہمارا جی ٹھہرتا ۔ اب جو وہ تجھے لے جائیں تو ، تو کچھ ہچر مچر نہ کیجیو ، آن کے ساتھ ہو لیجیو ۔ جتنا بھبوت ہے تو اپنے پاس رکھ ۔ ہم کیا اس راکھ کو چولھے میں ڈالیں گے ۔ گرو جی نے تو دونوں راجوں کا کھوج کھو دیا ۔ کنور اودے بھان اور اوس کے ما باپ دونوں بے ٹھور رہے ۔ اور جگت پرکاس اور کام لتا کو یوں تلپٹ کیا ۔ بھبوت نہ ہوتا تو یہ باتیں کاہے کو سامنے آتیں ۔''

ندان مدن بان بھی اون کے ڈھونڈنے کو نکلی ۔ انجن لگائے ہوئے ''کیتکی ، رانی کیتکی'' کہتی ہوئی چلی جاتی تھی ۔ بہت دنوں پیچھے کہیں رانی کیتکی بھی ہرنوں کی ڈاروں میں ''اودے بھان ،

اودے بھان،، چنگھاڑتی ہوئی آ نکلی - جو ایک نے ایک کو تاڑ کر یوں پکارا : ''اپنی اپنی آنکھیں دھو ڈالو -،، ایک ڈیرے پر بیٹھ کر دونوں کی مٹ بھیڑ ہوئی - گلے مل کے ایسی روئیاں جو پہاڑوں میں کوک سی پڑ گئی -

دوہا اپنی بولی کا

چھا گئی ٹھنڈی سانس جھاڑوں میں
پڑ گئی کوک سی پہاڑوں میں

دونوں جنیاں ایک ٹیلے پر اچھی سی چھاں تاڑ کے آ بیٹھیاں - اپنی اپنی باتیں دہرانے لگیں -

بات چیت رانی کیتکی کی مدن بان سے

رانی کیتکی نے اپنی بیتی سب کہی اور مدن بان وہی اگلا جھینکنا جھینکا کی - اور اون کے ما باپ نے اون کے لیے جو جوگ سا دیا اور جو بروگ لیا تھا سب کہا - جب مدن بان یہ سب کہہ چکی تو پھر ہنسنے لگی - رانی کیتکی یہ دوہا لگی پڑھنے :

ہم نہیں ہنسنے کو رکتے جس کا جی چاہے ہنسے
ہے وہی اپنی کہاوت آ پھنسے جی آ پھنسے

اب تو اپنے پیچھے سارا جھگڑا چھانٹا لگ گیا
پاؤں کا کیا ڈھونڈتی ہے جی میں کانٹا لگ گیا

مدن بان کچھ رانی کیتکی کے آنسو پونچھتے سے چلی - اون نے یہ بات ٹھہرائی جو تم کہیں ٹھہرو تو میں تمھارے اجڑے ہوئے ما باپ کو یہیں لے آؤں ، اور اونھیں سے یہ بات ٹھہراؤں - گسائیں مہندر گر ، جس کے یہ سب کرتوت ہیں ، وہ بھی انھیں دونوں اجڑے ہوؤں کی مٹھی میں ہے - اب بھی جو میرا کہا تمھارے دھیان چڑھے تو گئے ہوئے دن پھر پھر سکتے ہیں ، پر تمھاری کچھ بھاویں نہیں ہم کیا پڑے بکتے ہیں - میں اس پر بیڑا اٹھاتی ہوں -''

بہت دنوں میں رانی کیتکی نے اس پر اچھا کہا ، اور مدن بان کو اپنے ما باپ کے پاس بھیجا اور چٹھی اپنے ہاتھ سے لکھ بھیجی ، جو آپ سے کچھ ہو سکے تو اوس جوگی سے یہ ٹھہرا کے آویں -

مہاراج اور مہارانی کے پاس مدن بان کا پھر آنا اور چت چاہی بات کا سنانا

مدن بان رانی کیتکی کو چھوڑ کر راجہ جگت پرکاس اور رانی کام لتا جس پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے وہاں جھٹ سے آدیس کرکے آ کھڑی ہوتی اور کہتی ہے : ''لیجیے آپ کا گھر نئے سر سے بسا اور اچھے دن آئے - رانی کیتکی کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا - اونھیں کے ہاتھوں کی یہ چٹھی لائی ہوں ، آپ پڑھ لیجیے - آگے سو چاہیے سو کیجیے -''

مہاراج نے اسی باگھمبر میں سے ایک رونگٹا توڑ کر آگ پر دھر دیا ۔ بات کی بات میں گسائیں مہندر گر آ پہنچے ، اور جو کچھ نیا سانگ جوگی اور جوگن کا آیا تھا آنکھوں دیکھا ۔ سب کو چھاتی سے لگایا اور کہا : ''باگھمبر اسی لیے میں سونپ گیا تھا جو تم پر کچھ ہووے تو اوس کا ایک رونگٹا پھونک دیجو ۔ تمھارے گھر کی یہ گت ہو گئی ، اب تک تم کیا کر رہے تھے اور کن نیدوں میں سو رہے تھے ؟ پر تم کیا کرو ، وہ کھلاڑی جو روپ چاہے سو دیکھاوے ، جو جو ناچ چاہے سو نچاوے ۔ بھبوت لڑکی کو کیا دینا تھا ، ہرن ہرنی اودے بھان اور سورج بھان اوس کے باپ کو اور لچھمی باس کو میں نے کیا تھا ۔ میرے آگے اون تینوں کو جیسے کا تیسا کرنا کچھ بڑی بات نہ تھی ۔ اچھا: ہونی سو ہوئی ، اب چلو آنھو ، اپنے راج پر براجو اور بیاہ کا ٹھاٹھ کرو ۔ اب تم اپنی بیٹی کو سمیٹو ۔ کنور اودے بھان کو میں نے اپنا بیٹا کیا ، اور اوس کو لے کے میں بیاہنے چڑھوں گا ۔''

مہاراج یہ سنتے ہی اپنے راج کی گدی پر آ بیٹھے اور اوسی گھڑی کہہ دیا : ''سارے چھتوں کو اور کوٹھوں کو گوٹے سے منڈھ لو اور سونے روپے کے روپہلے سنہرے سب جھاڑ اور پہاڑوں پر باندھ دو اور پیڑوں میں موتی کی لڑیاں گوندھو اور کہہ دو چالیس دن چالیس رات تک جس گھر ناچ آٹھ پہر نہ رہے گا اوس گھر والے سے میں روٹھ رہوں گا اور جانوں گا یہ میرے دکھ سکھ کا ساتھی نہیں ۔''

چھ مہینے جد کوئی چلنے والا کہیں نہ ٹھہرے اور رات دن

چلا جائے اوس ہیر پھیر میں وہ راج سب کہیں تھا ، یہی ڈول ہو گیا ۔

جانا مہاراج اور مہارانی اور گسائیں مہندرگر کا رانی کیتکی کے لینے کے لیے

پھر گروجی اور مہاراج اور مہارانی مدن بان کے ساتھ وہاں آ پہونچے ، جہاں رانی کیتکی چپ چاپ سن کھنچی بیٹھی تھی ۔ گروجی نے رانی کیتکی کو اپنے گود میں لے کے کنور اودے بھان کا چڑھاوا چڑھا دیا اور کہا : ''تم اپنے ما باپ کے ساتھ گھر سدھارو ۔ اب میں اپنے بیٹے کنور اودے بھان کو لے آتا ہوں ۔''

گروجی گسائیں جن کو ڈنڈوت ہے سو تو یوں سدھارتے ہیں ۔ آگے جو ہوگی سو کہنے میں آئے گی ۔ یہاں کی یہ دھوم دھام اور پھیلاوا دھیان کیجیے ۔ مہاراجہ جگت پرکاس نے اپنے سارے دیس میں کہا : ''یہ پکار دیں جو یہ نہ کرے گا اوس کی بری گت ہوگی ۔ گانو میں آمنے سامنے ترپولیے بنا بنا کے سوہے کپڑے اون پر لگا دو ، اور گوٹ دھنک کی ، اور گوکھرو روپہلی سنہری ، اور کرنیں ، اور ڈانک ٹانک رکھو ، اور جتنے بڑھ پیپل کے پرانے پرانے پیڑ جہاں جہاں ہوں اون پر گوٹوں کے پھولوں کے سہرے بڑے بھرے ایسے ، جس میں سر سے لگا جڑ تک اون کی ٹھلک اور جھلک پہونچے ، باندھ دو ۔''

پودوں نے رنگا کے سوہے جوڑے پہنے ، سو پانوں ڈالیوں

نے توڑے پہنے ، بوٹی بوٹی نے پھول پھل کے گہنے ، جو بہت نہ تھے تو تھوڑے تھوڑے پہنے - جتنے ڈہڈہے اور ہریاول میں لہلہے پات تھے اپنے اپنے ہاتھ چہچہی مہندی کی چاوٹ سجاوٹ کے ساتھ جتنی سہاوٹ میں سما سکی کر لی ، اور جہاں تک نول بیاہی دلھن ننھی ننھی پھلیوں کے اور سہاگنیں نئی نئی کلیوں کے جوڑے پنکھڑیوں کے پہنے ہوئے تھیں ، سب نے اپنی اپنی گود سہاگ پیار کے پھلوں اور پھولوں سے بھر لی ، اور تین برس کا پیسا جو لوگ دیا کرتے تھے اوس راجہ کے راج بھر میں جس جس ڈھب سے ہوا کھیتی باڑی کرکے ، ہل جوت کے ، اور کپڑا لتا بیچ کھوچ کے ، سو سب ان کو چھوڑ دیا - اپنے گھروں میں بناؤ کے ٹھاٹھ کریں ، اور جتنے راج بھر میں کنوئیں تھے کھنڈ سالوں کی کھنڈ سالیں لے جا آن میں اونڈیلیں گئیں ، اور سارے بنوں میں اور پہاڑ تلیوں میں لالٹینوں کی بہار جھم جھماہٹ راتوں کو دیکھائی دینے لگی ، اور جتنی جھیلیں تھیں ان سب میں کسم اور ٹیسو اور ہار سنگار تیر گیا ، اور کیسری بھی تھوڑی تھوڑی گھولنے میں آ گئی ، اور پھننگ سے لگا جڑ تک جتنے جھاڑ جھنکاڑوں میں پتے اور پتوں کے بندھے چھوٹے تھے ان میں روپہلے سنہرے ڈانک گوند لگا لگا کے چپکا دے اور کہہ دیا گیا ، جو سوہی پگڑی اور سوہے باگے بن کوئی کسی ڈول کسی روپ سے نہ پھرے چلے ، اور جتنے گوٹے نچوٹے ، بھانڈ بھگتیے ، ڈھاڑی ، راس دھاری اور سنگیت ناچتے ہوئے ہوں سب کو کہہ دیا - جن جن گانو میں جہاں ہو اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر ، اچھے اچھے بچھونے بچھا کر ، گاتے بجاتے ، دھومیں مچاتے ، ناچتے کودتے ، رہا کریں -

ڈھونڈھنا گوسائیں مہندرگر کا کنور اودے بھان اور اوس کے ما باپ کو ، اور نہ پانا اور بہت سا تلملانا ، اور راجہ اندر کا اوس کی چٹھی پڑھ کے آنا

یہاں کی بات اور چہلیں جو کچھ ہیں سو یہیں رہنے دو ۔ اب آگے یہ سنو ۔

جوگی مہندرگر اور اوس کے نوے لاکھ اتیتوں نے سارے بن کے بن چھان مارے ۔ کہیں کنور اودے بھان اور اوس کے ما باپ کا ٹھکانا نہ لگا ۔ تب اون نے راجہ اندر کو چٹھی لکھ بھیجی ۔ اس چٹھی میں یہ لکھا ہوا تھا :

''تینوں جنوں کو میں نے ہرن اور ہرنی
کرڈالا تھا ۔ اب آن کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں ۔
کہیں نہیں ملتے ، اور میری جتنی سکت تھی
اپنے سے کر چکا ہوں ، اور اب میرے مونھ
سے نکلا کنور اودے بھان میرا بیٹا اور میں
اوس کا باپ ۔ سسرال میں سب بیاہ کے ٹھاٹھ
ہو رہے ہیں ۔ اب مجھ پر نپٹ گاڑھ ہے ، جو تم
سے ہو سکے سو کرو ۔''

راجہ اندر گرو مہندرگر کے دیکھنے کو سب اندراسن سمیت آپ آن پہنچتا ہے اور کہتا ہے : ''جیسا آپ کا بیٹا تیسا میرا بیٹا ۔ آپ کے ساتھ میں سارے اندر لوک کو سمیٹ کے کنور اودے بھان

کو بیاہنے چڑھوں گا ۔''

گسائیں مہندرگر نے راجہ اندر سے کہا : ''ہماری آپ کی ایک ہی بات ہے ۔ پر کچھ ایسی سوجھائیے جس میں وہ اودے بھان ہاتھ آویں ۔ یہاں جتنے گوے اور گائنیں ہیں اون سب کو ساتھ لے کے ہم اور آپ سارے بنوں میں پھریں ، کہیں نہ کہیں ٹھکانا لگ جائے گا ۔''

ہرن اور ہرنیوں کے کھیل کا پکڑنا اور نئے سر سے کنور اودے بھان کا روپ پکڑنا

ایک رات راجہ اندر اورگسائیں مہندرگر نکھری ہوئی چاندنی میں بیٹھے راگ سن رہے تھے ۔ کڑوڑوں ہرن آس پاس اون کے راگ کے دھیان میں چوکڑی بھولے سر جھکائے کھڑے تھے ۔ اوس میں راجہ اندر نے کہا کہ ''سب ہرنوں پر پڑھ کے میری سنگت گرو کے بھگت پھرو ۔ منتر ایسری باچا ایک ایک چھینٹا پانی کا دو ۔''

کیا جانے وہ پانی کیا تھا ۔ پانی کے چھینٹے کے ساتھ ہی کنور اودے بھان اور اون کے ما باپ تینوں جنے ہرنوں کا روپ چھوڑ کر جیسے تھے ویسے ہو جاتے ہیں ۔ مہندرگر اور راجہ اندر ان تینوں کو گلے لگاتے ہیں اور پاس اپنے بڑی آؤ بھگت سے بٹھاتے ہیں ، اور وہی پانی کا گھڑا اپنے لوگوں کو دے کر وہاں پہنچوا دیتے ہیں جہاں سر منڈواتے ہی اولے پڑے تھے ۔ راجہ اندر کے لوگ ، جو پانی کے چھینٹے وہی ایسری باچ پڑھ کے دیتے ہیں ، جو جو

مر مٹے تھے سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ، اور جو جو ادھ موئے ہو کے بھاگ بچے تھے سب سمٹ آتے ہیں ۔

راجہ اندر اور مہندرگر کنور اودے بھان اور راجہ سورج بھان اور رانی لچھمی باس کو لے کے ، ایک اڑن کھٹولے پر بیٹھ کر ، بڑی دھوم دھام سے اون کو اپنے راج پر بیٹھا کر ، بیاہ کے ٹھاٹھ کرتے ہیں ۔ پنسیریوں ہیرے موتی اون سب پر نچھاور ہوتے ہیں ۔ راجہ سورج بھان اور اودے بھان اور اون کی رانی لچھمی باس چت چاہی آس پا کر پھولے اپنے آپ میں نہیں سماتے ، اور سارے اپنے راج کو یہی کہتے جاتے ہیں : ''جو نرے بھونرے کے مونھ کھول دو ، اور جس جس کو جو جو اکت سوجھے بول دو ۔ آج کے دن سے اور کون سا دن ہوگا ۔ ہماری آنکھوں کی پتلیوں کا جس سے چین ہے اوس لاڈلے اکلوتے کا بیاہ ، اور ہم تینوں کا برنوں کے روپ سے نکل کر پھر راج پر بیٹھنا ۔ پہلے تو یہ چاہیے جن جن کی بیٹیاں بن بیاہیاں کنواریاں بالیاں ہوں اون سب کو اتنا کر دو کہ جو اپنی جس جس چاؤ چوچ سے چاہیں اپنی اپنی گڑیاں سنوار کے اٹھاویں ، اور جب تلک جیتی رہیں ہمارے یہاں سے کھایا پیا ، پکایا ریندھا کریں ، اور سب راج بھر کی بیٹیاں سدا سہاگنیں بنی رہیں ، اور سوہے رالے چھٹ کبھی کوئی کچھ نہ پہنا کریں ، اور سونے روپے کے کواڑ گنگا جمنی سب گھروں میں لگ جائیں ، سب کوٹھوں کے ماتھوں پر کیسر اور چندن کے ٹیکے لگے ہوں ، اور جتنے پہاڑ ہمارے دیس میں ہوں اتنے اتنے ہی روپے سونے چاندی کے پہاڑ آمنے سامنے کھڑے ہو جائیں ، اور سب ڈانگوں کی چوٹیاں موتیوں کی مانگ سے بن مانگے بھر

جائیں ، اور پھولوں کے گہنے اور بندن واروں سے سب جھاڑ پہاڑ لدے پھندے رہیں ، اور اس راج سے لگا اوس راج تک آدھر میں چھت سی باندھ دو - چپا چپا کہیں نہ رہے جہاں بھیڑ بھڑکا ، دھوم دھڑکا نہ ہونا چاہیے - پھول اتنے بہت سارے کھنڈ جائیں جو ندیاں جیسے سچ مچ پھول کی بہتیاں ہیں ، یہ سمجھا جائے - اور یہ ڈول کہہ دو جدھر سے دولھا کو بیاہنے چڑھیں سب لالڑی اور ہیرے اور پکھراج کی ادھر آدھر کنول کی ٹٹیاں بن جائیں اور کیاریاں سی ہو جائیں ، جن کے بیچوں بیچ سے ہو نکلیں اور کوئی ڈانگ اور پہاڑ تلی کا آتار چڑھاؤ ایسا دیکھائی نہ دے جس کی گود پکھروٹوں اور پھول پھلوں سے بھری بھتولی نہ ہو -

راجہ اندر کا ٹھاٹھ کرنا اودے بھان کے بیاہنے کے لیے

راجہ اندر نے کہہ دیا : ''وہ رنڈیاں چلبلیاں جو اپنے مدھ میں آڑ چلیاں ہیں اون سے کہہ دو سولہ سنگار بال بال گج موتی پروؤ ، اپنے اپنے اچرج اور اچنبھے کے آڑن کھٹولوں کے اس راج سے آس راج تک آدھر میں چھت سی باندھ دو - پر کچھ ایسے روپ سے اوڑ چلو جو آڑن کھٹولوں کی کیاریاں اور پھلواریاں سی سیکڑوں کوس تک ہو جائیں ، اور اوپر ہی اوپر مردنگ ، بین ، جل ترنگ ، مونھ چنگ ، گھونگھرو ، تبلے ، کٹ تال ، اور سیکڑوں اس ڈھب کے انوکھے باجے بجتے آئیں ، اور ان کیاریوں کے بیچ میں ہیرے پکھراج ان بندھے موتیوں کے جھاڑ ، اور لالٹینوں کی بھیڑ بھاڑ کی جھم جھماہٹ دیکھائی دے ، اور اونہیں

لالٹینوں میں سے بتپھول ، پھلجھڑیاں ، جاہی ، جوہیاں ، کدم ، گیندا ، چنبیلی اس ڈھب سے چھوٹے کہ دیکھتوں کی چھاتیوں کے کواڑ کھل جائیں ، اور پٹاخے جو اچھل اچھل کے پھوٹیں اون میں سے ہنستی سپاری اور بولتے پکھروٹے ڈھل ڈھل پڑیں ؛ اور جب تم کو ہنسی آوے تو چاہیے اوس ہنسی کے ساتھ موتی کی لڑیاں جھڑیں ، جو سب کے سب اون کو چن کے راج راجے ہو جاویں ۔ ڈومنیوں کے روپ سارنگیاں چھیڑ چھڑ سوہیلے گاؤ ، دونوں ہاتھ ہلاؤ ، انگلیاں نچاؤ ، جو کسی نے نہ سنے ہوں وہ تاؤ بھاؤ ، آؤ جاؤ ، راؤ چاؤ ، دکھاؤ ، ٹھڈیاں کپکپاؤ اور ناک بھویں تان تان بھاؤ بتاؤ ، کوئی پھوٹ کر رہ نہ جاؤ ۔''

ایسا بھاؤ جو لاکھوں برس میں ہوتا ہے ، جو جو راجہ اندر نے اپنے مونھ سے نکالا تھا ، آنکھ کے جھپک کے ساتھ وہی ہونے لگا ۔ اور جو کچھ اون دونوں مہاراجوں نے ادھر اودھر کہہ دیا تھا سب کچھ اوسی روپ سے ٹھیک ٹھاک ہو گیا ۔

جس بیاہنے کی یہ کچھ پھیلاوٹ اور جماوٹ اور رچاوٹ اوپر تلے اس جمگھٹے کے ساتھ ہو کہ اوس کا اور کچھ پھیلاوا کیا کچھ ہوگا ، یہ دھیان کر لو ۔

ٹھاٹھ گسائیں مہندر گر کا

جب کنور اودے بھان اس روپ سے بیاہنے چڑھے ، اور وہ باسھن ، جو اندھیری کوٹھری میں موندا ہوا تھا ، اوس کو بھی

ساتھ لے لیا اور بہت سے ہاتھ جوڑے اور کہا : ''باہمن دیوتا ہمارے کہنے سننے پر نہ جاؤ ، تمھاری جو ریت ہوتی چلی آئی ہے بتاتے چلو ۔'' ایک آڑن کھٹولے پر وہ بھی ریت بتانے کو ساتھ ہوا ۔

راجہ اندر اور گسائیں سہندرگر ایراوت ہاتھی پر جھومتے جھامتے ، دیکھتے بھالتے ، سارا اکھاڑا لیے چلے جاتے تھے ۔ راجہ سورج بھان دولھے کے گھوڑے کے ساتھ مالا جپتا ہوا پیدل تھا ۔ اتنے میں ایک سناٹا ہوا ، سب گھبرا گئے ، اس سناٹے میں وہ جو جوگی کے نوے لاکھ اتیت بنے تھے ، سب کے سب جوگی بنے ہوئے ، موتیوں کی لڑیوں کی سیلی گلوں میں ڈالے ، گاتیاں اسی ڈھب کی باندھے ، مرگ چھالوں اور باگھمبروں پر آ ٹپکے ۔ انھوں کے جیوں میں جتنی آمنگیں چھا رہیں تھیں وہ چوگنی پچگنی ہو گئیں ۔ سکھ پال اور چنڈولوں پر اور رتھوں پر جتنی رانیاں مہارانی لچھمی باس کے پیچھے چلی آتی تھیں سب کو گدگدیاں سی ہونے لگیں ۔ اوس میں کہیں بھرتری کا سانگ آیا ، کہیں جوگی جے پال آ کھڑے ہوئے ، کہیں مہادیو جی اور پاربتی جی دیکھائی پڑے ، کہیں گورکھ جاگے ، کہیں مچھندر ناتھ بھاگے ، کہیں مچھ کچھ براہے ، سنمکھ ہوئے ، کہیں پرسرام ، کہیں باون روپ ، کہیں ہرناکس اور نرسنگھ ، کہیں رام لچھمن سیتا سامنے آئے ، کہیں راون اور لنکا کا بکھیڑا سارے کا سارا دیکھائی دینے لگا ، کہیں کنھیا جی کا جنم اشٹمی ہونا اور باسدیو کا گوکل لے جانا اور اون کا اوس روپ سے بڑھ چلنا ، اور گائیں چرانی اور مورلی بجانی اور گوپیوں سے دھومیں مچانی ، اور رادھا کا رس کبجا کا بس کر لینا ،

کہیں بنسی بٹ ، چیر گھاٹ ، بندرا بن ، کریل کی کنج ، بندرا بن
سیوا کنج برسانے میں رہنا اور اوس کنہیا سے جو جو کچھ ہوا تھا
سب کا سب جیوں کا تیوں آنکھوں میں آنا ، اور دوارکا میں جانا ،
اور وہیں سونے کا گھر بنانا ، اور پھر برج کو نہ آنا ، اور سولہ سو
گوپیوں کا تلملانا سامنے آ گیا - ان گوپیوں میں سے اودھو کا ہاتھ
پکڑ کر ایک گوپی کے اس کہنے نے سب کو رولا دیا ، جو اس
ڈھب سے بول کے روندھے ہوئے جی کو کھولتی تھی -

کبت

جب چھانڑ کریل کی کنجن کوں بری دوارکا جیو ماں جانے بسے
مگدھوت کے دھام بنائے گہنے ، مہراجن کے مہاراج بھئے
تج مور سکٹ اور کامریا ، کچھو اور ہی ناتے جور لیے
دھرے روپ نئے ، کیے نیہہ نئے اور گیاں چرائیو بھول گئے

اچھا پنا گھاٹوں کا

جتنے گھاٹ دونوں راج کی ندیوں میں تھے کچی چاندی کے
تھکے سے ہو کر لوگوں کو ہکا بکا کر رہے تھے - نواڑے ، بھولیے ،
بجرے ، لچکے ، مور پنکھی ، سونا مکھی ، سیام سندر ، رام سندر
اور جتنی ڈھب کی ناویں تھیں ستھرے روپ سے سجی سجائی ،
کسی کسائی ، سو سو لچکیں کھاتیاں ، آتیاں جاتیاں لہراتیاں پڑی
پھرتیاں تھیں - اون سب پر یہی گوے ، کنچنیاں ، رام جنیاں ،
ڈومنیاں کھچا کھچ بھری ، اپنے اپنے کرتب میں ناچتی گاتی بجاتی

کودتی پھاندتی ، دھومیں مچاتیاں ، انگڑائیاں جمہائیاں ، آنگلیاں نچاتیاں ، اور ڈھلی پھرتیاں تھیں - اور کوئی ناؤ ایسی نہ تھی جو سونے روپے کے پتروں سے منڈی ہوئی اور اساوری سے ڈھکی ہوئی نہ ہو - اور بہت سی ناؤں پر ہنڈولے بھی اوسی ڈھب کے ، اون پر گائنیں بیٹھی جھولتی ہوئیں - سولھے، کدارے اور باگیسری کانھڑے میں گا رہیں تھیں - دل بادل ایسے نواڑوں کے سب جھیلوں میں بھی چھا رہے تھے -

آ پہونچنا اودے بھان کا بیاہنے کے ٹھاٹھ کے ساتھ دلھن کی ڈیوڑھی پر

اس دھوم دھام کے ساتھ کنور اودے بھان سہرا باندھے جب دلھن کے گھر تلک آن پہونچا اور جو ریتیں اون کے گھرانے میں ہوتی چلی آتیاں تھیں ہونے لگیں ، مدن بان رانی کیتکی سے ٹھٹھولی کرکے بولی : ''اب سکھ سمیٹے بھر بھر جھولی - سر نہوڑائے کیا بیٹھی ہو ، آؤ نہ ٹک ہم تم مل کے جھروکوں سے اونھیں جھانکیں -''

رانی کیتکی نے کہا : ''اری ایسی نلجی باتیں ہم سے نہ کر - ایسی ہمیں کیا پڑی جو اس گھڑی ایسی کڑی جھیل کر ریل پیل میں اس اپٹن اور تیل پھلیل میں بھری ہوئی اون کے جھانکنے کو جا کھڑی ہوں -''

مدن بان اس رکھائی کو اوڑن گھائی کے انٹیوں میں کر بولی -

دوہے اپنی بولی میں :

دوہا

یوں تو دیکھو واچھڑے جی واچھڑے جی واچھڑے
ہم سے اب آنے لگی ہیں آپ یوں مہرے کڑے
چھان مارے بن کے بن تھے آپ نے جن کے لیے
وہ ہرن جوبن کے مدھ میں ہیں بنے دولہا کھڑے
تم نہ جاؤ دیکھنے کو جو اونھیں کچھ بات ہے
جھانکتے اس دھیان میں ہیں اون کو سب چھوٹے بڑے
ہے کہاوت : ''جی کو بھاوے یوں ہی پر منڈیا ہلائے''
لے چلیں گے آپ کو ، ہم ہیں اسی دھن پر اڑے
سانس ٹھنڈی بھر کے رانی کیتکی بولی کہ سچ
سب تو اچھا کچھ ہوا پر اب بکھیڑے میں پڑے

واری پھیری ہونا مدن بان کا رانی کیتکی پر ، اوس کی باس کا سونگھنا اور انیدے پن سے اونگھنا

اس گھڑی کچھ مدن بان کو رانی کیتکی کے مانجھے کا جوڑا اور بھینا بھینا پن ، اور انکھڑیوں کا لجانا اور بکھرا بکھرا جانا بھلا لگ گیا تو رانی کیتکی کی باس سونگھنے لگی ، اور اپنی آنکھوں کو ایسا کر لیا جیسے کوئی کسی کو انگھنی لگتی ہے - سر سے پانوں تک واری پھیری ہو کے تلوے سہلانے لگی - رانی کیتکی

جھٹ سے دھیمے سے ہنس کے لچک کے ساتھ آٹھی ۔ مدن بان بولی :
''میرے ہاتھ کے ٹہوکے سے وہ ہی پانو کا چھالا دکھ گیا ہوگا جو
ہرنوں کی ڈھونڈا ڈھونڈھ میں پڑ گیا تھا ۔''

ایسی دکھتی چٹکی کی چوٹ سے مسوس کر رانی کیتکی نے
کہا : ''کانٹا اڑا تو اڑا اور چھالا پڑا تو پڑا ، پر نگوڑی تو
کیوں میرا پنچھالا ہوئی ۔''

سراہنا رانی کیتکی کے جوبن کا

رانی کیتکی کا بھلا لگنا لکھنے پڑھنے سے باہر ہے ۔ وہ دونوں
بھووں کی کھچاوٹ اور پتلیوں میں لاج کی سماوٹ اور نکیلی پلکوں
کی روندایٹ اور ہنسی کی لگاوٹ ، دنتڑیوں میں مسیوں کی
اودایٹ ، اور اتنی سی رکاوٹ سے ناک اور تیوری چڑھا لینا ، اور
سہیلیوں کا گالی دینا اور چل نکلنا ، اور ہرنیوں کے روپ سے
کرچھالیں مار پرے اوچھلنا کچھ کہنے میں نہیں آتا ۔

سراہنا کنور جی کے جوبن کا

کنور اودے بھان کے اچھے پن میں کچھ چل نکلنا کسی
سے ہو نہ سکے ۔ ہائے رے ، اون کے اوبھار کے دنوں کا سہانا پن
اور چال ڈھال کا اچھن پچھن ، اوٹھتی ہوئی کونپل کی پھبن اور
مکھڑے کا گدارپا ہوا جوبن جیسے بڑے تڑکے برے بھرے پہاڑوں

کی گود سورج کی کرن نکل آتی ہے ، یہی روپ تھا ۔ اون کی بھیگتی مسوں سے رس کا ٹپکا پڑنا ، اور اپنی پرچھائیں دیکھ کر اکڑنا ۔ جہاں تہاں چھانو اوس کا ڈول ٹھیک ٹھاک ، اون کے پانوں تلے جیسے دھوپ تھی ۔

دولہا اودے بھان کا سنگاسن پر بیٹھنا

دولہا اودے بھان سنگاسن پر بیٹھا ۔ ادھر آدھر راجہ اندر اور جوگی سہندرگر جم گئے ۔ دولہا کا باپ اپنے بیٹے کے پیچھے مالا لیے کچھ کچھ گنگنانے لگا ، اور ناچ ہونے لگا ۔ اور آدھر میں جو اوڑن کھٹولے اندر کے اکھاڑے کے تھے ، سب کے سب اس روپ سے چھت باندھے ہوئے تھرکا کیے ۔

مہارانیاں دونوں سمدھنیں آپس میں ملیاں جلیاں اور دیکھنے دا کھنے کو کوٹھوں پر چندن کے کواڑوں کے اڑتلوں میں آ بیٹھیاں ۔ سانگ سنگیت بھنڈتال رہس ہونے لگا ۔ جتنے راگ اور راگنیاں تھیں ۔ ایمن کلیان ، جھجھوٹی ، کانڑا ، کھماچ ، سوہنی ، پرج ، بہاگ ، سوہرٹ ، کانگڑا ، بھیرویں ، کھٹ للت ، بھیروں ۔ روپ پکڑے ہوئے سچ مچ کے جیسے گانے والے ہوتے ہیں اوسی روپ سے اپنے اپنے سمے پر گانے لگے اور گانے لگیاں ۔ اس ناچ کا جو بھاؤ تاؤ رچاوٹ کے ساتھ ہوا کس کا مونھ جو کہہ سکے ۔ جتنے وہاں کے سکھ چین کے گھر تھے مادھو بلاس ، رس دھام ، کشن نواس ، مچھی بھون ، چندر بھون ، سب کے سب لپے سے لپٹی اور

سچے موتیوں کی جھالریں اپنی اپنی گانٹھ میں سمیٹے ہوئے ایک پھبن کے ساتھ متوالوں کے روپ سے جھوم جھوم بیٹھنے والوں کے مونھ چوم رہے تھے - بیچوں بیچ اون سب گھروں کے ایک آرسی دھام بنایا تھا ، جس کی چھت اور کواڑ اور آنگن میں آرسی چھٹ لکڑی اینٹ پتھر کے پٹ ، ایک آنگلی کے پورے بھر نہ تھی - چاندنی کا جوڑا پہنے ہوئے چودھویں رات جب گھڑی چھ ایک رہ گئی ، تب رانی کیتکی سی دلھن کو اس آرسی بھون میں بیٹھا کر دولھا کو بلا بھیجا -

کنور اودے بھان کنھیا بنا ہوا ، سر پر مکٹ دھرے ، سہرا باندھے ، اسی تڑادے اور جمگھوٹ کے ساتھ چاند سا مکھڑا لیے جا پہونچا - جس جس ڈھب سے بامھن اور پنڈت کہتے گئے اور جو مہاراجوں میں ریتیں چلی آتیاں تھیں اسی ڈول سے ، اسی روپ سے بھونری گٹھ جوڑا سب کچھ ہو لیا -

دوھے اپنی بولی کے

اب اودے بھان اور رانی کیتکی دونوں ملے
آس کے جو پھول کملائے ہوئے تھے پھر کھلے

چین ہوتا ہی نہ تھا جس ایک کو اس ایک بن
رہنے سہنے سو لگے آپس میں اپنے رات دن

اے کھلاڑی یہ بہت تھا کچھ نہیں تھوڑا ہوا
آن کر آپس میں جو دونوں کا گتھ جوڑا ہوا

چاہ کے ڈوبے ہوئے اے میرے داتا سب تریں
دن پھرے جیسے اونھوں کے ایسے اپنے دن پھریں

وے اوڑن کھٹولے والیاں ، جو ادھر میں چھت باندھے ہوئے تھرک رہی تھیں ، بھر بھر جھولیاں اور مٹھیاں ہیرے اور موتیوں سے نچھاور کرنے کے لیے اوتر آئیاں ، اور اوڑن کھٹولے جوں کے توں ادھر میں چھت باندھے ہوئے کھڑے رہے - دولھا دولھن پر سے ساتھ ساتھ واری پھیرے ہوتے ہیں - پس پس گیاں اور اون سبھوں کو ایک ہچکی سی لگ گئی -

راجہ اندر نے دلھن کی مونھ دیکھائی میں ایک ہیرے کا اکڈال چھپر کھٹ اور ایک پیڑھی پکھراج کی دی ، اور ایک پارجات کا پودھا ، جس سے جو مانگے سو ہی ملے ، دلھن کے سامنے لگا دیا ، اور ایک کام دھین گائے کی پٹھیا بھی اوس کے نیچے باندھ دی ، اور اکیس لونڈیاں اونھیں اوڑن کھٹولے والیوں سے چن کے اچھی سے اچھی ستھری گتی مجاتیاں ، سیتی پروتیاں ، سگھڑ سے سگھڑ سونپیں ، اور اونھیں کہہ دیا : ”رانی کیتکی چھٹ اون کے دولھا سے کچھ بات چیت نہ رکھیو - تمھارے کان پہلے سے مروڑے دیتا ہوں ، نہیں تو سب کی سب پتھر کی مورتیں بن جاؤگی اور اپنا کیا آپ پاؤگی -“

اور گسائیں مہندر گرو جی نے باون تولے پاؤ رتی جو سنتے ہیں اوس کے اکیس مٹکے آگے رکھ کے کہا : ''یہ بھی ایک کھیل ہے ، جب چاہے تو بہت سا تانبا گلا کے ایک اتنی سی اوس کی چھوڑ دیجیے گا ، کنچن ہو جاوے گا ۔''

اور جوگی نے سبھوں سے کہہ دیا ، جو لوگ اون کے بیاہ میں جاگے ہیں ، اون کے گھروں میں چالیس دن رات سونے کی ٹڈیوں کے روپ میں بن برسیں ، اور جب تک جییں کسی بات کو پھر نہ ترسیں ۔ نو لاکھ ننانوے گائیں سونے روپے کی سنگھوٹیوں کی ، جڑاؤ گہنا پہنے ہوئے ، گھنگرو جھنجھناتیاں ، بامھنوں کو دان ہوئیں اور سات برس کا پیسا سارے راج کو چھوڑ دیا ۔ بائیس سے ہاتھی اور چھتیس سے اونٹ لدے ہوئے روپوں کے لٹا دیے ۔ کوئی اس بھیڑ بھاڑ میں دونوں راج کا ایسا نہ رہا جس کو گھوڑا جوڑا ، روپوں کا توڑا ، سونے کی جڑاؤ کڑوں کی جوڑی نہ ملی ہو ۔ اور مدن بان چھٹ ، دولہا دلہن پاس کسی کا ہواؤ نہ تھا جو بن بلائے چلی جائے ۔ بن بلائے دوڑی آوے تو وہی آوے اور ہنساوے تو وہی ہنساوے ۔ رانی کیتکی کے چھیڑنے کو اون کے کنور اودے بھان کو کنور کنور اجی کہہ کے پکارتی تھی ، اور اسی بات کو سو سو روپ سے سنوارتی تھی ۔

دوہے اپنی بولی کے

گھر بسا جس رات اونھوں کا تب مدن بان اوس گھڑی
کہہ گئی دولھا دلھن کو ایسی سو باتیں کڑی

باس پا کر کیوڑے کی کیتکی کا جی کھلا
سچ ہے ان دونوں جنوں کو اب کسی کی کیا پڑی

کیا نہ آئی لاج کچھ اپنے پرائے کی اجی
تھی اجی اوس بات کی ایسی ابھی کیا ہڑبڑی

(دلھن نے اپنے گھونگھٹ سے کہا)

جی میں آتا ہے ترے ہونٹوں کو مل ڈالوں ابھی
بل بے اے رنڈی ترے دانتوں کی مسّی کی دھڑی

سلکِ گوہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سمرِ ماہِ ساطعِ ملکِ روس و ملکہٴ گوہر آرا

در حمد و درودِ رسول و ولدِ عم و آلِ اطہارِ او
سلامُہمُ اللہُ الملکُ السلامُ و کرّمہم :

عالم عالم حمد ، صحرا صحرا درود ، اللہ صمدِ ودود ، اور رسولِ کردگار ، سر گروہِ رسل ، محمدِ محمود اور آلہ الاطہار کو ؛ اور سو لاکھ سلام ہر سحر و مسا اس ماہِ مصرِ اسلام ، مدار المہام سرکارِ ملکِ علام ، امامِ ہمام اسداللہ کو کہ مع عساکر و اعلام مدام معرکہ آرا رہا ۔ اس حد کو علم کس کا ، اور کس کا حوصلہ کہ مرحلہ گرد اس راہ کا ہو ۔ اللہم صلِ علا محمدٍ وآلہ و علوہ و کمالہ ۔

کلامِ مصرع دار :

مدادِ مردمک حور و کلکِ مدرہ کدھر
کہ ہو مسودۂ حمدِ داورِ عالم

مدام وردِ درودِ رسول صلِ علا
محمدِ و علا آلہ کرو ہر دم

اطلاعِ اسمِ موسسِ کلام ، سلمہُ اللہ مع آلہ و اولادہ :

واہ واہ ، او دلِ آگاہ ، او مرادِ کلمۂ لو ارادالله، بمسرِ املا ، ولولہ ۔ سلسلۂ کلام کو حور آما اور محاورۂ اردو کو امردِ سادہ رُو کر دکھلا ۔ اور اسم اس کلام کا 'سلک گوہر' رکھ ، اور آ ۔

مدحِ حاکمِ عصر آدامہُ اللہ

اور اس حاکمِ عصر ، مالک الرؤساء وسادۂ آرا کو کر دعا ، کہ عدل اس کا مرسوم ، اور اسمِ معلا اس کا لہُ السعادہ معلوم ہوا ۔

کلامِ مصرعہ دار :

اللہ وُرا مراد دادہ
اعطا علماً لہُ السعادہ

الٰہا ، مدام عالم عالم اس کا محکوم ، اور حاسد اس کا معدوم ہو ۔

در اساسِ کلام

در عالمِ علوِ حوصلہ ، کہ سالہا سال ہم کو سودا سا مطالعۂ احوالِ ملوکِ عالم کا رہا ، ملکِ روس اور ملکۂ گوہر آرا کا حال اس طرح معلوم ہوا ۔

در گل کدۂ سحر و احوالِ طلوعِ سحر

ہر گاہ سحر گاہ ماہِ امردِ کم عمر سادہ رُو ، اہلا گہلا رسمسا سا ، مسرورِ سکرِ مدامِ طہور .... مرصع محل کا وارد ہو کر آرام گاہِ معہود کو سدھارا ، اور عروسِ ہوا کا سلسلہ ہلا ، اور ہر طرح کا گل سرد سرد اوس اور سہاگ لہو لہا کر کھلا ، اور لمعۂ مہر کا ورود سرِ کوہسارِ طلاکار ہوا ۔

وصولِ ملکِ روس در مصور محل

ملکِ روس ، راس الروؤسِ ممالکِ محروسہ ، سوار کارِ ہما کردار ، صرصرِ اطوار ، ہمراہ علم و دہل و کوس ، مرحلہ گردِ گردا گردِ دورۂ گردِ صحرا ، در صددِ ارادۂ آہو ، رہ گم کردہ ، آلودۂ ہراس و وسواس ، واردِ حصارِ طلاکارِ سرکارِ ملکہ گوہر آرا ہوا ۔ اللہ اللہ وہ عہدِ موسمِ گل کا ولولہ ، اور سو کوس لالہ حمرا کھلا ، اور وہ اس مصور محل اور معطر محل کا ارم کا سا عالم ۔

احوالِ سراسر ملالِ ملکِ مسطور

حاصل کہ وہ ہم سرِ کسرا و دارا ملکِ مسطور ، مصور محل

کو گھور گھور ، ملکۂ گوہر آرا کا گردہ رو مصور لوحِ مردمک کر کر محو و آوارہ ہوا ۔ اور اس کو سارا درد و الم گوارا ۔ وہ اس کا احوال سراسر ملال اگر سر سو محرر ہو ، سو معلوم ۔ مدرکہ ، حواس ، واہمہ ، کل معدوم ۔ ولولہ اور دھوم دھام مدام اس کا کام ۔ اور اس مصور کو سو سو سلام ۔ اور ہمراہِ دمِ سرد اس طور کا کلام ۔ کلامِ مصرع دار :

اور کس کا آسرا ہو سرگروہ اس راہ کا
آسرا اللہ اور آلِ رسول اللہ کا

احوالِ اطلاعِ ملکۂ گوہر آرا و ورودِ ملکِ روس در معطر محل

ملکۂ گوہر آرا کا دل اس حال کا مطلع ہوا ۔ اس دم محرمِ اسرار ، مہر کردار ، ہم عمر ، ماہ رو کو کہا کہ ”ادھر آؤ ، اور اس کو لاؤ ۔“ ہر گاہ مار مہرہ عطاردِ الماس آسا کا لگا ، اور محل لسعِ مارِ مدِ سہا کالا ہوا ، اور مدادِ مردمکِ حورِ ملاءِ اعلا کا مسودہ کھلا ، اور وسواس کا کاسہ سرا اس کا آ گلا ہوا سہم کھا کر سو رہا ، اور گہوارہ کودکِ ماہِ مراد کا ہلا ۔ ملکِ روس کلاہِ مکلل گوہر و الماس و لعل رکھ کر ، اس صدور امر کا مامور ہو ، سہما ہوا مع ماہ رو واردِ معطر محل ہو کر کراہا ۔

اول اول سلسلہ کلام کا اس طرح کھلا ۔ ملکۂ گوہر آرا کا سر ہلا کہ ”ہاء راہ و رسمِ معمول و مرسوم سوا اگر سرکار کا

اور ارادہ ہو ، سو معلوم ۔ الوداع ، آرام ۔ اور دھوم دھام کا
واسطہ اور سارا رولا کس کام ۔ واللہ کہ حد گرما گرم ہو ۔ اس
طور کا سراسر آگ اور لاگ لگاؤ والا اور مردوا کم ہوا ہوگا ۔
اگر سودا ہوا ہو ، کالا لہو کم کرواؤ ۔ اور اگر ہولِ دل ہو ،
دواءالمسک سرد و گرم کھلاؤ ۔ گو ہم سرِ ماہ مصر ہو ، ہو ۔
عامل مسّلا لگاؤ ۔ کلام اللہ دم کرواؤ ۔ وہ موا سودا در گور کہ
سارا گھر کا گھر رسوا ہو ۔ لو ہمارا کہا کرو ۔ سر کو ۔ راہ لو ۔
گھر کو سدھارو ۔ مگر اس مُہر کو لو ، اور ہر طرح دل کو
دلاسا دو ۔ اور اس کا گل کھلاؤ ۔ لاگ کو آگ لگاؤ ۔ والد اور
والدہ کو مطلع کرو ۔ مُہرۂ مہر کو بلاؤ ۔ مسودہ اس کام کا ہو،
سو لکھو لکھاؤ ۔ مُہر کر ، صدرالصدورِ ملک کو حوالہ کر ،
ارسال کرو ۔ اگر ہم دگر کو وہ مراسلہ اور معاملہ گوارہ ہو ،
حصولِ وصل لا کلام ہوگا ۔ و الا لاحول ولا ۔

ورودِ ملک روس در کوہِ طلا و مکالمۂ طاؤس مراد و ملک مسطور

حاصل کہ وہ اداس رک رکاؤ کا کلمہ و کلام مسموع کر کر ،
ملکِ روس کا حد سوا دل دکھا ، گولہ سا لگا ۔ ملکۂ گوہر آرا
کو وداع کر کر کہا : ''اوہ ہو ، سو ہو ۔ ہوا سو ہوا ۔ طالع کا
لکھا ہوگا ۔'' محروم اور ملول ، راکھ دھول سر کو مل دل
صرصر آسا صحرا کا رہگرا ہو کر ، اس طور دلاسا دہِ دل ہوا کہ
''لو مولا اداسا کسو ، دسا کرو ۔ اس معطر محل اور گھاگھم کو

لوکا آگ کا لگا کر دھدکار دو ۔''

مدعا کہ وہ اکلا آلودۂدرد و الم ، دو سال کامل دوا دو روا رو کر کر ، سرِ کوہِ طلا آ دھمکا ۔ لعل کا گھر ادھر ، اور الماس کا سہ درہ ، اور لوحِ سحر ، اور ہدہد طلسم ، اور مردِ صد سالہ اس کو محسوس ہوا ۔ وہ سالکِ مسالکِ ودادِ کامل طاؤس آسا معرکہ سماع و حال کا گرم کر کر کوکا ، اور مردِ معمرِ صد سالہ اس صدا کا آگاہ ہو کر للکارا کہ ''او واردِ راہ ، مدعا دل کا کہہ ۔ اگر مال و ملک درکار ہو ، کمر کھول ۔ اور اگر معاملۂ دل ہو ، اس مہ‌ابرو کا اسم ہم کو معلوم کروا ۔ سرمۂ طلسم ، اور سرکارِ موسا کا عصا وہ طور والا ، اور مدد کا رسّا اور کاسہ امداد ہوگا ۔ اس سرمۂ طلسم کا وہ کام کہ اس کو لگا کر گھر گھر کل کو گھورا کرو ، اور دوسرا مطلعِ حال ہو سو معلوم ۔ اور عصا وہ عصا کہ گاہ مار گاہ دوحہ کردار ہو ۔ اور رسّا وہ رسّا کہ ہر ماہ رو کو کس لو ۔ اور کاسہ وہ کاسہ کہ ہر طرح کا طعام کھاؤ کھلاؤ ، دو ، لو ، اس کا طعام کد کم ہو ۔''

ملک روس اس صدا کا سامع ہو کر کھلا اور کہا کہ ''اسم اس گدا کا ماہ ساطع ولد مہر طالع ملکِ روس ۔ اور علم اس ماہ رو کا کہ دل اس کا والہ ہوا ، ملکۂ گوہر آرا سرکار کا سامعہ آرا ہوا ہوگا ۔ واللہ کہ اگر دوسرا اس سا ہو ، سو اصلا ۔

محامدِ اوصالِ ملکۂ گوہر آرا

اس حورِ ارم کا وہ عالم اور آس مراد کا موسم کہ اللہ اللہ۔ کمر، کولا، اور ادا، واہ واہ واہ۔ ممدوحۂ سہا و سمک۔ کاکلِ دودِ آہِ ملک۔ دمک طلاکار، مہر کردار، دلک ماہ اطوار۔ وہ لوحِ طالع مساہمِ لوحِ طلسمِ اسرارِ دادار کردگار۔ اور وہ دو ہلالِ مساہمِ ہم دگر سادۂ سحرِ حلال۔ اور وہ معادلِ رماحِ معرکہ آرا ہو ہو سماکِ رامح۔ اور وہ دو صادِ کلکِ مالکِ معاد کا وہ عالم اور دھوم کہ لوحِ مہر و ماہ و سوادِ دورۂ دہر بر بر واحد محکوم۔ اور محلِ سمع ہر واحد محسودِ کل۔ اور معاملہ دمِ ادا اس مساہم و ہم دم صور کا کہ حامل اور محرک ہالۂ طلا کا مع لعلِ واحد اور دو گوہر ہوا۔ اللہ اللہ۔ واللہ کہ واہ، اور واہ سو واہ، سو لاکھ واہ۔ اور دو گال کا اس طرح کا کمال کہ ہو ہو مہر و ماہ کا سا حال۔ اور اس سلکِ گوہر اور لعلِ احمر کا وہ احوال کہ لالۂ حمرا اور اوس کا عالم۔ اور وہ محلِ مسِ اہلِ دول امرودِ ارم آسا آرام روحِ حور، اور گود اس کا سہارا کا دارِ سرور۔ گلا کو کلا کا سا۔ اللہ اللہ وہ لولوء لالہ کا ہار، اور محل اس کا مساہم محرِ محرکِ مردہ۔ لاکھ سو کا ہو کر سرو اگر علم آرا ہو، اس کو کہہ دو کہ اس سرو کا سا مراد کا (ہو)۔ کولھا وہ کولھا کہ دراصل عسل دار مگس وار ہو۔ اور وہ موردِ حمل گدگدا، اوہو ہو ہو، اہا ہا ہا۔ گرہ مو، کمر اس گرہ کا معاکسہ۔ سرہ وہ سرہ۔ ہم سر کلمۂ سرہ۔ اور وہ اودا اودا سا لہلہا مودار مدِ عکسِ مارِ کاکل۔ الٰہا المدد المدد۔ اور

روماول کا کالا گود سر کا سہارا کہا کر رود ماء العمر کا طامع ہوا۔ اور بالہ گوہر دار طلا کا مور، سہاگ لہر والا ہلا اور اس کو گھورا۔ سہم سہم دو دلا ہو کر، دو کوہ الماس کا آسرا کر، رک رہا۔ اور وہ مورد الماس و لعل و گوہر، کہ ہر گرد اس کو مل مل محسود سہا و سمک ہو، سہا و عطارد کا گھر۔ اور وہ گول گول ساعد لامع مورد مرور ماہ، اور وہ مادۂ مار کا مواد کہ ہر عروس کا رسوا گھر ہو، لاکھ دل کا محل آرام۔ اور وہ دو کوہ طلا، اس دو کرۂ مدور اور گول گول کا معاکسہ کمر کہ مردار کا وہم کم رکھے، محل سروکار کو مسودۂ سم آہو لکھے۔ اور عکس اس آگ کا، وہ آگ کہ محاورۂ کلام اہل مکہ ہو، ورل آسا۔ اور وہ دو محل سر اہل ہراس و وسواس، دو کاس مدور الماس۔ اور وہ دو عمود طلا کہ داماد عروس کو گھر لا کر اس کا حامل ہو، مدار سرور اہل ہوس۔ اور وہ حامل سلسلۂ صدا آرا سمک طلا۔ اور وہ دس کلک لعل احمر مدار ہر کار، معصر دل اور معاکسہ مساہم ہر واحد کا۔ اور وہ مصلح عکس صلح اس دم کہ حنا کو سمسم اسود مداد کار کہہ کر معلم کرو، دس دس ہلال ہمراہ ماہ کامل ہے۔"

کلام مُسہر آلود طاؤس مراد

الحاصل وہ مرد صد سالہ اس کلام کو مسموع کر کر رحم آور ہوا اور اس کو کہا کہ "وہ سرمہ اور وہ عصا اور وہ کاسہ اور رستا اگر درکار ہو، لو، اور مدعا دل کا ہر طرح حاصل کرو۔

و الا سر کوہ رہو ۔ دال اوگرا ہوگا ، سو کھاؤ ۔''

وہ دلدادہ رو کر اس طرح کلام آرا ہوا کہ ''مدعا دل کا حصولِ وصالِ دلدار سوا اور ہو ، سو معلوم ۔ اللہ کا رحم اور سرکار کا کرم اگر مددگار ہو ، حلِ ہر گرہ سہل ، اور دکھ درد دور ہوگا ۔''

ورودِ طاؤس مراد در محل و مکالمۂ او و گل رو

ہر گاہ اس طرح کا مکالمہ ہم دگر مکمل ہوا ، وہ کمال آگاہ دادرسِ ہر اہلِ درد گھر کو سدھارا ، اور کل اہل و اولاد کو للکارا ، اور مولودۂ مسعودہ گل رو کو کہا کہ ''او گل رو ، ادھر آ ، کہ مہر طالع کا ولدِ اسعد ، ماہ ساطع ملکِ روس ملکۂ گوہر آرا کا والہ و دلدادہ ہو کر ادھر وارد ہوا ۔ اللہ عالم اس کا اس طرح کا :

کلامِ مصرع دار :

ابلا کھلا رسمسا ، گورا گورا ، واہ
سادا سادا ، گدگدا ، گول گدا کا آہ

اور معاکسہ اس محامد کا اس طور :

معاکسۂ کلامِ مسطور :

گورا گورا واہ ابلا کھلا رسمسا
گول گدا کا آہ سادا سادا گدگدا

وہ کام کر کہ اس امردِ سادۂ دلدادہ کو آسرا سہارا ، اور دل اس کا لہلہا ہو ۔"

گل رو کا مسکرا کسمسا کر ، کمر کولھا ہلا کر ، مالا مال ہو کر سر ہلا اور دل کھلا ، اور کہا کہ "اس کلام کا مآل ہو ، سو معلوم کرواؤ ۔"

کہا کہ "وہ سرمہ اور وہ کاسہ اور وہ رسّا اور وہ عصا لا دو کہ اس کا کام اور ہم کو آرام ہو ۔"

کہا "دادا ، وہ موا کاسہ واسہ ، سرمہ ارمہ ، رسّا وسّا ، عصا وصا ، کس کام ، واسطہ ، مدعا ؟ ملکۂ گوہر آرا اور ہم ہم عمر اور ہم کلام ۔ اس کا کام ہم کو کل معلوم ، اور ہمارا سارا اسرار اس کو ۔ اگر واسطہ ہمارا ہوگا ، مدعا لا کلام ہوا ۔ و الا لا ۔ اس کو کہہ دو کہ گل رو کا کہا ہو ، اور سرِ مو اصلا ۔"

وصلِ ماہ ساطع و گل رو کہ مساس و معاملہ طورِ دگر آمدہ

مردِ صد سالہ اس کلام کا آگاہ ہو کر ادھر رہگرا ہوا ، اور اس کو کہا : "آ ، ملکِ روس کو دلاسا دہ ہو ۔"

الحاصل اس مردِ آوارہ کا اور اس کا ہم دگر ملاؤ ہوا ۔

لہو ، گو کھرو ، ململ ، گواس ، اطلس کا سادا سادا طور کر کر ، اس ساحرہ کا دل کھلا ۔ اس دن وہ لعل کا گھر آدھر اور الماس کا سہ درہ وا ہوا۔ مردِ صد سالہ ، گل رو کا دادا علاحدہ دور رہا ۔ مدعا کہ ماہ ساطع ہمراہِ گل رو اس گھر کا صدر آرا ہوا ۔ اور سلسلۂ کلامِ گل رو اول اول اس طرح ہلا :

کلامِ مصرع دار :

آگ لگاؤ ، گرم ہو ، آہ ، رہا سہا کرو
وہ کہ دراؤ والا ہو ، اس کو اکل کھرا کرو

دور کرو دراؤ کو ، سارا گلہ ہوا کرو
ہم کو ملو دلو ، کھلو کھولو ، گرہ کو وا کرو

آؤ گھلو ملو ، کھلو ، گود کو گدگدا کرو
کو کہ وسوسو ، کوس لو ، اور ملو لا گولا کھاؤ

رولا کرو کہ دھوم دھام ، آؤ مگر ملو ملاؤ
گرمِ رہِ سلوک ہو ، مروحہ مہر کا ہلاؤ

دور کرو دہاک کو ، لہرا سہاگ کا لگاؤ
دکھ کو سکھا کر آگ دو ، راکھ کو سرمہ سا کرو

ماہ ساطع گل رو کو گھور گھور گرما گرم ہوا ، اور کہا :
"اوہ ، لو آؤ ، کہو ، سو ہو ۔"

اول حد سوا مساس ہوا ۔ اور مساس ہو کر عمود کا سر ہلا،

اور رس کا درا وا ہوا ۔ اور اس کام کا لگا لگا ۔ ہر گاہ لہرا لہرا دم مار مار کر وہ راہ مار گھسا ، اور دھکا گہرا لگا ۔ گل رو کا کولھا دکھا ۔ مسوسا کھا کر کہا : ''کس طرح کا مردوا ملا کہ رس کا محرم ہو سو اصلا ۔ اس کام کو آگ کا لوکا ۔ سوا گدگدا گدا کا سا سادہ لوح کدھر دھر دھمکا ۔ ملکۂ گوہر آرا کو رسوا کر کر ادھر کو آ کودا ۔ اس کو مکا ، اس کو دھول ، اس کو ہودا ۔ لو اور گل کھلا کہ لال لال اودا اودا سا لوہو گرا ۔ حملہ کر کر گو کھرو سارا ملا دلا ۔ آدم کہ موا گدھا ۔''

الحاصل وہ کالا ، آس مراد والا ، اوس لس دار آگل کر مردہ سا ہو کر گرا ۔ گل رو کا اس دم لعل گوہر دار ہلا اور کہا : ''موا ملکۂ گوہر آرا کا مردود درگاہ گھر کا مالک ہوا ۔ الہٰا ، لوکا لگا اس سہاگ کو ۔ وہ لگا کس طرح اور کس کام کا کہ گہرا گد کا مار ہم کو ادھموا کر کر ہوا ہو ۔ لوگو اس طرح کا لگوار دوسرا ہو ، سو معلوم ۔ اول اول دعا اور سلام اور کلام کو حوالۂ سہو کر کر اور مدعا کو آ لگا ۔''

ماہ ساطع اول دم کھا رہا ۔ ہرگاہ گل رو کا کلام سارا مکمل ہوا ، سر ہلا کر کہا کہ ''واہ واہ ، حمد کرم ، ہم سا اور سادہ لوح دوسرا کدھ ہوگا کہ سرکار والا کا کام اس طرح کر کر سادہ لوح کا سادہ لوح رہا ۔ کرم اور مہر کدھر کہ مورد ملال ہوا ۔ واللہ اگر ملکۂ گوہر آرا کو اس طرح کا سرور حاصل ہوا ، معاً اس حور کو مل کر معلوم کرو کہ مار رکھا ہوگا ۔''

اس کلام کو حوالۂ سامعہ کر کر گل رو کا درِ سرور کھلا اور کہا کہ ''اللہ اللہ اس دم ہم کو معلوم ہوا کہ ہم دگر کا وہ معاملہ واسطۂ حصولِ اصلِ مدعا رہا ۔ دل کا لگاؤ ہو ، سو اصلا ۔ روح مسرور اس دم ہو کہ ملکۂ گوہر آرا ہو ، و الا کس طرح ؟ دراؤ والا مردوا در گور ۔ اور اس کا وہ سرمار ، گو کہ ہو درکار ، کس کام ؟''

وہ دولا سوداگر ، سود مود کا گاہک ، گاہ ادھر گاہ آدھر ، گاہ اس ملک گاہ اس ملک ، گاہ صحرا گرد ، گاہ واردِ کوہ ، ساہ ساطع کا درِ کلام اس طرح کھلا کہ ''اول دل اس گدا کا والہ ملکۂ گوہر آرا ہوا ۔ اور اس کا ارادۂ وصال کر کر محرمِ اسرارِ صحرا اور گاہ ہمدمِ کوہ رہا ۔ اور اس کا سودا اس حد ملکِ دل کا مسلط ہوا کہ اس کوہ کا محرم ہو دم سادہ رہا ۔ اللہ کا سہارا اور رسول کا آسرا اس مردِ صد سالہ کو در ہر حال ہو کہ رحم کھا کر احوال کا سائل ہوا ، اور کہا کہ سرمۂ طلسم اور عصا موسا کا اور مدد کا رسّا اور کاسۂ دائم الطعام لو ۔ سرمہ ، کاسہ ، عصا ، رسّا کس کام کہ گل رو سا ہمدم اور محرمِ اسرار ملا ، اور اس رس کا مساس اور ململاؤ حاصل ہوا کہ ہر طرح کا درد اور دکھ دور کھسکا ۔ اللہ اللہ سادہ سادہ گال اور گول گول گرہ مدورِ محرم کا محرم ہو کر اس ساہ ساطع گدا کا دل اس ادا اور کلام کا اس طور مملوک ہوا کہ اگر ملک اس طرح ہم کلام ہو کہ ملکِ دارا لو اور گل رو کو وداع کرو ، اس دم اس مملوک گدا کا درِ کلام اس طرح وا ہوگا کہ گل رو کا اسم لو اور سارا

ملک و مال وار کر گدا کو دو ۔ مل اگر مسکر کاسۂ عدل ہو اس گدا کو کہ ملکۂ گوہر آرا کا در ہر حال والۂ وصال اور مملوک رہا ، کہو کہ او ہمہ مہر اور داد مصور سالم اور مکرم رہ ، اور دہرا آسرا اور سہارا رکھ ۔ کہو اگر سہو محو معمول ہمارا ہو ، مہر کا آسرا اس کس کو ہو ۔''

گل رو کا دل مسرور ہوا ، اور مسکرا کر کہا : ''لو ، آؤ عہد کرو ۔ لکھ دو کہ گل رو کا محل علاحدہ ہوگا اور لکھا ہوا عہد مُستلم مُسلم مُستلم ۔'' ماہ ساطع کا سر بلند اور گل رو کا کہا ہوا عہد لکھا ۔

صعودِ ہدہدِ گل رو ، و وصولِ او در مصور محلِ ملکۂ گوہر آرا

اس دم اس ساحرہ کا سحر معلوم ہوا ۔ واہ واہ ، الو ، گل رو کدھر ، گل رو کا ہدہد ہوا ، اور وہ ہدہد صعود کر کر ہوا کو ملا ۔ ملکۂ گوہر آرا کا گھر اس کا آرام گاہ ہوا ، اور سر اس کا کھلا ۔ اس دم ملکۂ گوہر آرا کا دل گل گل کھلا اور اس کا آگا روک کر کہا کہ ''سرک ، او کم مہر ۔ سال و ماہ سلام ولام لکھا و کہا ؟ رو کہا سو کہا دلاسا ، سو اصلا ۔ سراسر سہو محو ، دور ہو ۔ لا حول ولا ۔ اس لاگ کو آگ کا لوکا ۔''

اس دم ہدہد آدم ہوا ۔ اور وہ آدم کھل کھلا کر اس طرح

کہلا کہ ''مالک ہو ، کہو سو کہو ۔ اور گلہ کرو ، مارو ۔ ہمارا اور مدعا ہو سو معلوم ، الا ملکۂ گوہر آرا کا ہر طرح سرور ۔ او ماہ رو ادھر آ ۔ ہمارا اور ملکۂ گوہر آرا کا معاملہ لکھ رکھ ۔ کل کو ادھر آدھر گلہ ہو ، گواہ ہو کر کہہ کہ گل رو کا دوس ہو ، سو معلوم ۔ اس کا الحاح سوا اور طرح کا کلام ہو ، سو اصلا ۔''

ماہ رو کا سو ادا دکھا کر لعلِ گوہر دار ہلا ، اور کہا کہ ''لو آؤ ۔ دم لو ۔ آرام کرو ۔ راگ واگ کرؤ ۔ ہم دگر کا گلہ وگلہ سارا دور کرو ۔ دل ملو دل ملواؤ ۔ محرم کھولو محرم کھلواؤ ۔ مساس کرو مساس کرواؤ ۔ گول گول کولھا ملو ملواؤ ۔ آہ واہ کرو کرواؤ ۔ گل رو کا اسم ''گلو'' رکھو اور ماہ رو کو ہم دگر صلاح کار کر کر اس کا صلہ دو ۔''

الحاصل سرِ محرم کھلا ۔ اور ہر طرح کا مساس اور کھل کھلاؤ اور ململاؤ ہو کر راگ کا لہرا لگا ۔ ملکۂ گوہر آرا کا سوہا واہ واہ ۔ اور گل رو کا دائرہ اللہ اللہ ۔ ملکۂ گوہر آرا کا دل اس کا دائرہ مسموع کر کر مسرور ہوا ۔ سراہ کر کہا کہ ''گل رو ، اگر اس دم مال اور ملک درکار ہو کہو ۔ کسو اور کو دلوا دو ۔ اور اس گوہر آرا کو ملو کہ معلوم کرو ۔'' کہا کہ ''اس گل رو کو وہ دو کہ اس کو درکار اور اصل مدعا اور مراد ہو ۔''

کہا کہ ''گلو ، کہو ۔''

کہا کہ ''ماہ ساطع ولد مہر طالع ، ملکِ روس ، حور سا امرد ،

گوہر آرا کا مساہم ، اہلِ کمال کا ممدوح ، ہر کام کا کس والا ، اس حور کا کہ اسم اس کا گوہر آرا اور والد اس کا والا گہر اور والدہ مہر آرا ہو ، والہ ہو کر واردِ کوہِ طلا ہوا ۔ اور دادا طاوس مراد کو ملا ، اہلِ دل اور رحم والا معلوم کر ، سارا احوال کہا ۔ دادا کمال مصر ہوا اور کہا کہ ''گل رو ، اس دلداۂ رُوسادہ کا کام کر دو ۔ ملکۂ گوہر آرا کا گھر اگر معلوم ہو ، ہدہد ُودہد ، کوکلا وو کلا ہو کر ساعد ہو اور اس گوہر آرا کا احوال معلوم کر ۔ اگر اسہل ہو ، لگا اس کام کا لگا ۔ اور اگر اس طرح محال ہو ، اور صلاح کر ۔ سو اس دم اس مملوکہ کا آمد آمد کا واسطہ اس کام سوا اور ہو ، سو معلوم ۔ اور اس سوا کام اور ہو ، سو اصلا ۔''

کہا کہ ''وہ امرد معلوم ہوا کہ طاؤس مراد کا گھر کودا اور اس لعل کا مالک ہوا کہ لعل کا ادھر گھر اور الماس کا سہ درہ اس کا وہ ہوا دار ، اور اسم اس لعل کا گل رو ۔ واہ واہ ، الو امرد اور کس والا ہر طرح ممدوح ہو ، وہ لعل کا گھر ادھر اور الماس کا سہ درہ اور ہوا کا عالم اور گہرا گدکا اور کھل کھلاؤ اور مل ملاؤ ۔ اوہ اوہ ، اس آمد کا مآل دراصل لگاؤ کا کمال ، اور محرم کا ملا دلا گو کہ رو اس کام کا گواہِ حال ۔ گل رو کا مائل گوہر آرا کا طامع ہو ، سو اصلا ۔''

کہا : ''ملکہ ، اس طرح کا کلام اور سارا گلہ گم کرو ۔ گوہر آرا کا والہ و دلدادہ گل رو کا محرمِ اسرار ہو ، واہ عدل ۔

لو سر کو ۔ مآلِ کار معلوم کر کر اس طرح کہا کرو ۔''

کہا ''اگر مکرو ، مکرو ۔ دل کا احوال سو اللہ کو معلوم ہوگا ۔''

کہا ''ملکہ ، کلام سرکار کا اصلِ اصل ۔ وہ سرکار کا مملوک اور گل رو مملوکہ ۔ اُس مملوکِ مردہ کو محرمِ اسرار کر کر عمرِ مدام کا مالک کرو ۔''

کہا ''اے سرورِ دلِ سرکار اس طرح ہو ، طوعاً و کرہاً اولاً ۔ امّا مہر آرا کو آگاہ کرو کہ ملک والا گہر ہمارا اور اس کا مالک اس احوال کو مسموع کر مسرور ہو ۔ اگر اس کا اُس کا حکم لو ، اس طرح کا مردوا حور سا امرد ، واہ واہ ۔''

گل رو کا ملال دور اور دل مسرور ہوا ، اور ملکۂ مہر آرا کو سلام کر کر کہا کہ ''امّا گوہر آرا کا دل ماہ ساطع ولد مہر طالع ملکِ روس کا طامع وصال ہوا ۔ واللہ اس سا امرد اور حور سا مردوا اور ہو ، سو معلوم ۔ گوہر آرا کا ماہرِ حال ماہ رو اور اس گل رو سوا اور ہو ، سو اصلاً ۔ رو رو کر حال اس کا اُس کا اس طرح ہوا کہ کہو اور روؤ ۔''

مہر آرا کا دل ملول ہوا اور کہا کہ ''اُس امردِ سادہ رُو حور طور کو لا ۔''

گل رو کا اُس دم مکرر ہدہد ہوا ۔ اور وہ ماہ ساطع امردِ

دلداده ، آلودہ درد و الم کا ، مکرر اس مصور محل کو آ دھمکا ۔

کلام در حصولِ اہتمِ مرام

الحاصل دولھا ہو کر وسادہ آرا ہوا ، اور لاکھ حورِ طاؤس کردار اور سو لاکھ اہلِ سرود کا لگا لگا ؛ اس طرح کہ کوسِ رعد آسا ، اور دہلِ سامعہ سا ، اور دمامۂ اسد صدا ، اور عودِ حمامہ آوا کا ہم دگر مل کر سرور ، مدھم ودھم ، سادہ وادہ ، اور گاہ اور صعودؔ کر کر سرگم کا حورِ ارم کا سا عالم ہوا ۔ اور ادھر کامود ، گاہ مدھ مادھ اور ملار ۔ گاہ کدارا اور مالکوس سا راگ سامع آرا مسموع کر ، دل ملوک اور امرا کا کھلا ۔ مولا اور کلو کا وہ کلام کہ ”کملا محرم دل دادہ“ ہر سامع کو سراسر آگ لگا کر الگ ہو رہا ۔ اور سادھو مادھو کا ادا دکھا دکھا کر دھوم دھام کا رولا کہ سدھارس کا کہا ہوا وہ ”درِ در ، درِ در ، درا ، درا ، آہِ درِ در ، درِ در ، درا درا ۔

کلامِ مصرع دار :

وصلِ دلدار آمدہ دردِ دلِ ما را دوا
رو ارسطو ، رو ارسطو ، دردِ سر ما را مدہ

کودکِ دہ سالہ اور مردِ معمرِ صد سالہ کو رلا رلا کر روح کو آ لگا ۔ گل محمد کا سالا ، مکھو ، ہرگاہ دائرہ سمھال کر

کوکلا سا اس طرح کوکا :

گوکل کو سورلا کوک رہو ہو
رادھا ہر کاہو آور سدھارو

اس دم ہر دل کا ارادہ کر کر کرا آگ کا کر ، ہمراہ رود و سرود راگ کا لہرا اور سُر سم کا لگا لگا کر علاحدہ علاحدہ ہر گروہ آدم کا طور اور ھتو ھتو ہر کدام کا کلام اس اس طرح ادا ہوا کہ واہ و اہلا۔ کلو ، مرادو ، اماسو کا کھرا کھرا گہرا گہرا کہروا ، دھرا دھرا کمر کولہا ہلا ہلا ، گلا لہرا لہرا ، دولھا کو گھور گھور کر ، دم سادھ ، گم ہو ، گا گا کر : ”اودھو مہرا گہرا والا حاکم ہم را“ اس طور کہ واہ۔

اور واہ واہ ، وہ رہس لالہ رام داس کا ، اور وہ سارا عالم ، اور کالا کمل والا گوالا ، اور وہ سو سر کا کلا ، اور وہ اوس ، اور وہ گھاس ، اور لاکھ گؤ کا دودھ ، اور گؤ رس ، اور لاکھ گاگر ، اور رس کا ساگر ، اور اس راگ کا لگاؤ ، اور آگ کا الاؤ ، اور ہر ہر درگ مِرگ سا ، ہولا سا ، اور گوکل کا سارا اداسا ، اور ادھر کا ادھورا دلاسا ، اور وہ دھوم دھام کا رولا ، اور راولا کوسا ، اور آس کا لگا لگا کر ، سولہ سولہ سو کا مسوسا ، رو رو کمک کمک ، سلگ سلگ ، دبک دبک ، سر دل کو راکھ دھول مل ، اس طور کہ :

بابا ، اودھو ہردوار کا کو سدھارو
کاہو کہا دوس سگرو دوس ہارو

اور واہ واہ ، وہ آلھا اودل کا راگ ہمک ہمک ، اور کورو کا گھاکا ، اور ہر ہر سور اور سودر کا گھل گھلاؤ گہک گہک ، اور واہ وہ سرِ راہ گولر کا آسرا اور کولک کا لگا ، اور وارد و صادر کا دگھدھا ، اور ادھر آدھر ہرکارہ لگا ہوا ، اور آمدِ مالِ سوداگر، محرر اس کام کا لا لا گردھر ، اور للو اس کا سالا ، اور سسرا اس کا مادھو رام ، اور ہم دگر اس طور کا کلام کہ ''مہر کا گھور محمد سرور کو راگ اس طرح ہوا کہ ہوا کو کوا کرا ۔''
کلامِ مصرع دار :

سہ ما امرد سدہ سدہ
دردا دردا ددہ صدا
کہ درا درا ادرا گدا
ہدہد ہما کو سرو دم ہلا
ہلولوم ہلولوم ہلولوم ہلولوم

اور گھورک گھورگ گھور گھور مردِ حمد آور کا کلام اور کراگ اس طرح کا :

کلامِ مصرع دار :

کورار کورار کورار اول گورلوک و کلگوارہ
سوکار سوکار و کولار کولسام و اور گولسام
اول کور گولوک دور سوکور گولوک دور اول کور
گولوک دور سوکور گورلوک دور مولوموک دور

واہ واہ، وہ دور ہارا دکھا دکھا، دھمکا دھمکا کر، معاملہ حال کا سا اس گروہِ دد آسا کا، کہ اصل مولد کل روہ اور ہر واحد اس گروہ کا عکسِ مرادِ احمر، اور کل کا طور سو اس طرح کہ عمامہ ململ کا اور دس اطلس گلدار کا گھگرا دمِ طاؤس سا اور کالا کمحل کسا ہوا کمر کا سہارا، سرمہ سراسر گھلا ہوا، اور وسمہ لگا ہوا، اور وہ ہرارا اور حملہ گہرا، اور سرود کا لہرا، اور سر ہلا ہلا آکس آکس کود کود اعادہ اس کلام کا:
"ملا سردارا، اسکوا، اسکوا۔"

اور اللہ اللہ، وہ مکالمہ علماءِ اہلِ دہ کا ہم دگر اس طور کہ "ملا صدرہ اس اس لکھس رہا۔ ملا محمود مع اولہ اس اس کہس اور حمدلاہ۔ سُلم مُسلم والا دُؤ کو رد کرس۔ در اصل علم کا گھر؛ سو مدرسہ ملا سعد کا رہا۔ و ما عدا ہالا۔ اس کو درک کرو اور کا اور وہ کہ العلم مع العمل، کالمسک مع العسل۔"

اور وہ مردودِ درگاہِ سالار و مدار کا رولا راکھ دھول سر کو لگا اور الاؤ آگ کا سلگا، اور وہ دھمال اور دھدکار کا معرکہ کہ "مدار مدار مدار، سالار سالار۔"

اور واہ واہ وہ کلام لالا سدا سکھ کا کہ کھرا اس سا دوسرا کم ہوگا، محوِ کاسۂ مدام ہو کر اس طرح کہ درا درا درا، راگ کا سرا، در در در در دور کر، دُر در در در، کس کا در، آس امرد کا کہ ماہ آسا سادہ رو ہو۔ اور وہ ملمع کلمہ کہ ماءالورد اور دُرِ دارو ملاؤ کر کر ردر کلوم دہ۔ او مردک آلو گلو، حمارِ صحرا

گدھا گاؤ ، مگو ، ''کل کلا کلوا'' مع ''اکل اکلا اکلوا'' کاو لحم ملح ، دگر راحِ آرام دل دہ ، مل کر سو رہ ۔ اور اعادہ ہر دم اس کلامِ مہمل کا کہ ''اللہ اور رام کلاھما واحد'' ۔ لاحول ولا ۔

اور محاکمہ گروہِ صلاحِ اہلِ اسلام کا اس طور ''مسعدا گؤ ، کدا وھم کرو ، رسا کسو ، اس کو دوھو ، گورس کرو ، لگا دھرو ، مولوک مولوک سسکا کہاؤ کہوا کھاو گولوک ۔''

مکالمہ اور سوال ، اور وہ دوارکا داس اوسوال کا کورۂ حداد سا گال ، اور وہ لس دار رال کا معاملہ گؤ مکھ سا کلا ، سر کھلا ، اور اس کا وہ محل اسعا دمامۂ رعد صدا ، اور مکارام مکارام آس کا گر ، اور سرگم کا سا سُر ۔

معاملۂ اہلِ حال

اور وہ آمد آمدِ اہلِ کمال ، اور وہ عمامہ ، وہ کلاہ ، وہ ردا اور سماع و حال ، اور وہ عرس کا احوال اور وہ ولولہ اور سودا ، اور وہ سوکھا سا کھا گردۂ مدور اور کاسہ دال عدس کا روکھا اور حرص و ہوا ، اور وہ راگ اور صدا ، اور دائرہ اور دورہ ''اللہ ہو'' کا ۔ اور وہ آہو ہُو ہُو ہو ۔ اہا ہا ہا سر اور عصا اور رومال ہلا ہلا کر ، رو رو ، رلا رلا کر ۔

اور وہ لاہور کا سکھ گرو امر داس والا ۔ اور اس مردود سؤر کا ''واہ گرو واہ گرو'' کا معاملہ اس طور کہ لاحول ولا ۔

اور وہ دس مرد کہ ہر واحد کا سودھرا مولد اور ماوا اور اسم ہر واحد کا اس طرح : رولدو ، گلو ، گھما ، دھوما ، سلھا ، سلھا ، کلا ، سہرو ، محمد مراد ، سمو ، آکر ہر واحد اس طرح کوکا ، اور دھرا دھل محرم صدا ہوا ۔

کلامِ مصرع دار :

کرم اللہ دا لکھ طرح دا ، اس دولھا دا لال رومال
سرور سرور سرور آکھ رہا کر گھما لال اس

سہرا دا سرور دا رولدو ، سرور راول دولھا ہوءک
دولھا دا گھر اللہ وساؤک ، سرور دا اہ کولا ہوءک

اور ملھو ، اور عصمو ، اور امامو ، اور مرادو ، اور کرمو ، کہ ہر واحد کا گھر لاہور ، اور کام ہر واحد کا سو ہلا آکر اس طرح ہر واحد کا راگ ہمدمِ سمعِ اہلِ سرور ہوا ۔

کلامِ مصرع دار :

اما دا اہ لال دلارا دولھا ککر ملھو وال
اکھ ملاوک گھور رہا اہ اما والا عصمو وال

آسا مل اما دا محرم کرم محمد مما ملدا
اکھ ملاوک ککر دولھا آکھ مرادو کرمو وال

سر سودا کلاہِ دود آسا ہدہد اور مور کا سا طرہ لگا ہوا سو

دور دھر کر گلا ولا کس سا لال لال ہو ، گھور گھور ، گھورک گھورک ، کود کود ، لوم اور مکرا اور مسکول کا گرما گرم گول گول گولا سا سلام ، اور مسکرا مسکرا طاؤس وار کام ، اور کلام اس طور :

وھو وھو او کالا آدم کالا آدم
لاو ول لاو ول درام درام

اور سوگوار دارو اور رال کو آگ لگا کر معرکہ آرا ہوا ۔ ماہ ساطع اور ملکۂ گوہر آرا کو اس طور کا کلامِ مداحِ معرکہ آرا مسموع ہوا کہ اللہ اللہ :

کلامِ مصرع دار :

حور عروسِ مدعا ، صلِ علا محمد
عطر سہاگ کا لگا ، صلِ علا محمد

واہ وہ عالم اور ادا سہرا ملا دلا ہوا
طورِ سحر سو رسمسا ، صلِ علا محمد

سلسلۂ کلام گرم ، اور ہوا وہ سرد سرد
وصلِ سہا و مہر کا ، صلِ علا محمد

واردِ معرکہ ہوا مہرۂ ماہ و مہر کو
اور عطاردِ سہا ، صلِ علا محمد

آس مراد کا ادھر اور آدھر کو گل کھلا
گل کدہ سارا لہلہا ، صلِ علا محمد

معرکہ دھوم دھام کا ، وہ محل اور آس کا وہ
کارِ مرصع و طلا ، صلِ علا محمد

صدرِ صدورِ رسم و راہ واردِ محکمہ ہوا
سہرِ ملوک کا لکھا ، صلِ علا محمد

طرۂ لعل و گوہر اور سلسلہ راگ کا کھلا
وا درۂ ارم ہوا ، صلِ علا محمد

صلِ علا محمد ، آلِ رسول کا رہا
ہم کو مدام آسرا ، صلِ علا محمد

سورۂ حمد اور درود ورد کر انشا واہ واہ
واہ ، کرور واہ وا ، صلِ علا محمد

آس مداح کو اس کا صلہ آ گرا ، اور آس کا گردا گرد اور کمرِ مرصع اور عطر اور طرۂ گوہر اور ہار گل کا ملا اور کہا کہ ''واہ ، واللہ ، واہ ۔''

اور حکم عالم مطاع کامو اور کادو اور گوگا اور رمو اور کملو کو صادر ہوا کہ کل اس کو گؤ ۔ لاکھ حصارِ طلا کار ، دس لاکھ ہالۂ ماہ کردار اور سولہ لاکھ سہ درۂ الماس وار ، اور

سو لاکھ طاؤس بہا کردار ، ہر ہر واحد آگ کا کرا مع گلکدۂ ارم اگل اگل معرکہ آرا رہا ۔

اور رعد صدا وہ گرما گرم گولا کہ سما و سمک کو دہلا دہلا ہلا ہلا کر محلِ طلوعِ صد مہر و ماہ و سہا و عطارد ہوا ، آس کا عالم اس طور کا کہ واہ ۔

اور وہ کرہ مدور سا اطلس کا کہ آگ کا لگاؤ اور دور اس کا حامل ہوا ، اس کا صعود ، اللہ اللہ ۔

ہر گاہ ماہِ عالم آرا کا سدس عہدِ عملی رہا ، اسعدالدولہ ولہ ملا محمد کامل ، اور اکرام الدولہ ملا محمد لامع کو دو گواہ کر کر دولہا آمادۂ وصالِ دلدار رہا ۔ اور عروس کا سرآمد وکلا صدرالصدور ، صدرالدولہ ، مکرم الملک ملا محمد واسع ہوا ۔ اور داماد کا عمادالدولہ ، مصلح الملک ملا محمود ۔ الحاصل وہ دس سطر کہ عروس و داماد کا معاملہ ہمدگر اس سوا ہو ، سو معلوم ۔ مع مہر و مُہر و گواہ دولہا حوالۂ سمع کر کر محل سرا کو سدھارا ۔ اللہ اللہ وہ آس مراد کا موسم اور آس دولہا کا طرۂ الماس اور لعل کا عالم ۔ اور وہ سہرا سلسلۂ گوہر اور گل کا اہلا گہلا ، اور وہ ہارِ مرصع کا لہلہا ، اور وہ سہاگ کا عطر ، اور وہ محل سرا کا معاملہ ، اور گھر کا وہ سر راگ علاحدہ علاحدہ اور طور کا ۔ اور کل رسم و رسوم اور معمول ، اور اللہ کا رحم اور دھوم دھام ، اور وہ ماہرو کا گلگلا سا گل اور اس دم کا حال ،

اور وہ گھا گھم ، اور وہ ملولا ، اور وہم اور مسوسا ، اور ہراس اور لاکھ طرح کا وسواس ۔ اور اس ہم عمر کا دلاسا اور اس کا اوداس اوداس کلمہ و کلام ، اور اس کا گھلاؤ ملاؤ اور وہ سوہلا کہ لو وہ اگلا اکہرا دہرا ہو کر اس طرح آ لگاؤ ۔ اور اس کا رکاؤ اور دل کا گھاؤ اور رکھ رکھاؤ ۔

واہ واہ ، وہ محل سرا کہ طرح اساس اس طور حدِ معمار ہو ، سو معلوم ۔ ہر موسم کا علاحدہ علاحدہ عالم ۔ موسم سرما کا عالم اس طور : وسطِ گلکدہ گول گھر کلاہِ سمور آسا ، اور ہر ہر در کو اصلِ طوس لگا ہوا ۔ لمعۂ مہر وسط السما ، سرو سا دگلا ہوا کا گدگدا ملمع مطلا ۔ اگر کا عطر اس کا حوصلہ آرا ، اور راگ کا سرور سرا ورا معلوم ، مگر مدھ مادھ کا دورہ ، اور عود کا ہرارہ اور ہا ہا ہا ۔ وہ گھا گھم کا موسم ، اور دمکلا وہ کہ اس کا اس طرح کا عالم کہ دو کوس والا مار کھا کر لال ہو ۔ اور وہ کلال اور گالم گال ۔ اور وہ آمد آمد کا سر اور دھال ، اور راگ اس طرح :

مادھو ہو درس دکھاؤ رادھا کو دوؤ ادھر گھکر سدا رس لو

اور موسم گرما کا حال اس طرح کہ طلوعِ ماہِ طلسم کا سحر کا سا سعر کہ ۔ موگرا کا گھر ، گوہر آسودہ ہر در ، گردا گرد لہر اور گوکھرو کا لہرا ، اور راگ واگ اصلا ، مگر کامود اور کدارا ۔

اور اللہ اللہ ، وہ اودا اودا احاطہ کوہسار کا سا گردا گردِ

دورۂ عالم ، اور وہ اہلا گہلا لہلہا ہرا ہرا موسم ۔ اور واہ واہ وہ عروسِ رعد کا رولا کہ اس طرح معلوم ہو کہ آگ کا کرہ ہل ہل کر گرا ۔ اور وہ مسندِ طلا کار اور دلک اور دمک اور موسل دھار اور سارا محل سرا طورِ طاؤس ہوا دار ۔ اور ہر ہر در اور ہر ہر کھم کو سوہا ململ اور سوہا ادرسہ لگا ہوا ۔ اور واہ واہ وہ کو کلا اور وہ کدم اور اس کا گلا کسا ہوا محو و آوارہ ، اس کا ہار رستا گہوارۂ مرصع کا اور راگ واگ کو دھدکار کس کو درکار ، مگر ملار ملار ملار ۔

الحاصل اس حور ماہ آسا کا وصل اس سروِ دلآرا کو حاصل ہوا ۔ او لوگو ، سر کھول کھول کر دعا کرو کہ الٰہا ، اس طرح کہ ملکۂ گوہر آرا اور ماہ ساطع کا ہمدگر مدعا ملا ، اس طرح ہمارا اور کل عالم کا دل مسرور اور دکھ دلدر دور ہو ۔

اہلِ عالم کو معلوم ہو کہ معمارِ اساسِ 'سلکِ گوہر' طلسم کا اسم ، مرادِ 'لو آراد اللہ' ہمسرِ املا ، ولدِ مدلول ما آراداللہ ، مصدر ، ولد معلوم 'لمع اللہ' ہوا ۔ سو ہم اور ہمارا والد اور ہمارا دادا سگ درگاہ اسد اللہ رحمہم اللہ ہر کدام کو مسموع ہوا ہوگا کہ وہ مرد عمدہ ، والد محرر سطور کا ، آل رسول اور صلاح کار امرا ، سر آمد حکما مع علم و کوس ہمسر رؤسا ، دلاور معارک اہل حسامِ دو دم ، سالکِ مسالک کرم ، سرگروہ اہلِ ہمم رہا ۔ اور سحر و مسا مدام ، دمامۂ حامہ صدا اس کا سرِ عام ، اور عموماً اطعام وارد و صادر کا واسطہ ، اور محرک سلسلۂ صلہ ، اور علوِ حوصلہ اس کا وہ

کہ دم سوال ہر کدام کو موسمِ سرما گرما گرم کمل اور موسمِ گرما دوپہر ملا ۔ مرد طعام دہ ، مددگار کہ و مہ ، درد دکھ کا سہارا ، گھر اس کا اہلِ کمال کا آسرا ۔ الٰہا ، اس کا صلہ اس کو دارالسرور اور مدام طہور عطا کر ، اور سو لاکھ گرہ کو وا کر ۔

———

فرہنگ

ابدھوت	= فقیروں کی ایک قسم ، یہ لوگ شوجی کی پوجا کرتے ہیں ۔
اتیت	= جوگی ۔
اچرج	= انوکھا ، حیرت انگیز ۔
اچھن پچھن	= حسن ۔
آدھر	= معلق ۔
ادیس	= جوگیوں کا سلام ۔
اساوری	= ریشمی کپڑا ۔
اکت	= مشکل ۔
امریاں	= آموں کا باغیچہ ۔

چل نہ امریوں میں جھولیں ، لیں درختوں کی ہوا
چھا گئی کالی گھٹا ، ہے تیرہ بختوں کی ہوا

(انشاء)

اندراس	= راجہ اندر کا اکھاڑہ ۔
انوپ	= لاثانی ۔
انوکھا بولا	= بڑبولا ۔

اوداسا =جوگیوں کا حبس دم کرنے کا آسن :

ہے یاد میں تمھاری بیٹھا ہوا مراقب
چارم فلک پہ عیسیٰ کھینچے ہوئے اوداسا

اودھو =کرشن جی کے ایک دوست کا نام ۔

ایراوت ہاتھی =راجہ اندر کے ہاتھی کا نام ۔

باسن =برتن ۔

باگھمبر =شیر کی کھال ۔

بروگ =جدائی ۔

بستر =لباس ۔

بھگو =پیاسی ۔

بے ٹھور =بے ٹھکانا ۔

پدمنی =نازک اندام ۔

پرچاؤ =محبت ۔

پنچھالا =دم چھلا ۔

پوتھی =چھوٹی سی کتاب ۔

تڑاوا =نمود و نمائش ۔

تلپٹ =تباہ و برباد ۔

تمامی =ایک باریک کپڑا ۔

تھل بیڑا =کسی چیز کا سراغ ۔

جونرے =کھتے ، تہہ خانے ۔

چاؤچک =چاؤ چوچلے ۔

چت چاہی =حسبِ خواہش (جی پسند) ۔

ڈانگ =پہاڑ ۔

ڈھاڑی =گویا ۔

ڈہڈہا =شوخ رنگ کا ۔

رچ = اشتہا ۔
رکھائیاں دینا = رکھائی بتانا ، بدمزگی ظاہر کرنا ۔
رنڈی = عورت ۔
روکھ = درخت ۔
سپھل = نیک انجام ۔
سچونی = جو سچ نہ ہو ۔
سرت = دھیان ۔
سنگھوٹی = بیلوں کے سینگ کی پوشش ۔
سنمکھ = روبرو ۔
سوچکنا = گھبرانا ۔
سوت = سوکن ۔
سوہا = لال ۔
سہائے = مدد ۔
سیتی = سمیت ۔
کامریا = کملی ۔
کرچھالیں مارنا = کودنا اُچھلنا ۔
گاڑ = مشکل ۔
گٹکا = ایک طلسمی مہرہ جس کے متعلق خیال ہے کہ اسے آدمی منہ میں رکھ لے تو ہوا میں اُڑ سکتا ہے :

جیسے اُڑ جائے دہن میں کوئی گٹکا لے کر
(ذوق)

لیا گر عقل نے منہ میں دلِ بیتاب کا گٹکا
تو جوگی جی دھرا رہ جائے گا سیماب کا گٹکا
(انشاء)

گوئیاں = سہیلی ۔

لگ چلن =راہ و رسم پیدا کرنا ۔
مرگ چھال =ہرن کی کھال ۔
مکھ بات =زبانی بات ، رو در رو ۔
مور مکٹ =مور کے پروں سے بنا ہؤا تاج جو کرشن جی پہنا کرتے تھے ۔
ناہ نوہ =انکار ۔
نلجی =بے شرم ۔
نول =نئی ۔
ہواؤ =ہمت ۔
یک نہ دھک =یکایک ۔